جلد ۷۰ ماہ ذی قعدہ سنہ ۱۳۷۱ھ مطابق ماہ اگست سنہ ۱۹۵۲ء عدد ۲

مضامین

مقالات

ادبیات

شذرات

ہمارے صوبہ کے سابق وزیر تعلیم نے اپنے شعبہ سے اردو کو جس طرح ختم کیا ہے وہ ان کا ناقابل فراموش کا[رنامہ] ہے، تو اب دیکھنا یہ ہے کہ نئے وزیر صاحب کا طرز عمل اس غریب زبان کے ساتھ کیسا رہتا ہے، انھون نے اپنی ایک تقریر مین اس کا اظہار تو کیا ہے کہ جس اسکول مین اردو کے چالیس طالب علم ہون گے، وہان اس کی تعلیم کا انتظام کر جائیگا، اور انجمن ترقی اردو کے ایک ذمہ دار رکن سے اس کا وعدہ بھی کیا ہے کہ ٹریننگ اسکولون کے داخلہ مین ان طلبہ کو ترجیح دیجائیگی جو اردو اور ہندی دونون زبانون سے واقف ہون گے، اور اس کا بھی یقین دلایا ہے کہ اس کے متعلق احکام بھی جاری کر دیئے گئے ہین، مگر اس قسم کے وعدے نئے نہین ہین، پُرانے وزیر تعلیم صاحب نے بھی اپنی اردو دوستی کے باوجود کئے تھے، مگر آج تک اُن پر عمل نہ ہو سکا، دیکھنا یہ ہے کہ ان پر عمل کہان تک ہوتا ہے،

درحقیقت اس قسم کے وعدون کی حیثیت طفل تسلی سے زیادہ نہین ہوتی، اور اُن سے صرف ظاہرداری کی کوشش ہو سکتی ہے، اگر بالفرض ان پر عمل بھی کیا جائے، تو بھی اس سے اردو کی تعلیم مین کوئی خاص سہولت نہین پیدا ہوتی، دیہاتون کے اسکولون مین بہت کم ایسے ہوتے ہین جن مین طلبہ کی تعداد اتنی ہو جس مین چالیس ا[ردو] پڑھنے والے نکل سکین، اور شہرون اور قصبات کے اسکولون کو چھوڑ کر عام آبادی کے اسکولون مین مشکل ہی سے تعداد پوری ہو سکتی ہے، خصوصاً اس زمانہ مین جب کہ اردو دشمنی نے قومی تعصب کی شکل اختیار کر لی ہے اور سا[رے] دنیاوی فوائد ہندی سے وابستہ ہین، اس شرط کا پورا ہونا اور بھی مشکل ہے، اس لئے اس شرط کے معنی یہ ہین کہ عام طور سے اردو کی تعلیم کا انتظام نہین ہو سکتا، اس شرط مین ایک دشواری یہ بھی ہے کہ اگر کسی اسکول مین اردو کے چالیس پڑھنے والے فراہم بھی ہو جائین تو یہ مختلف درجون کے طلبہ کی مجموعی تعداد ہو گی جن کی صلاحیت و استعداد

مختلف ہو گی، اس لئے ان کو ایک سطح کے طالب علمون کی طرح ایک معیار کی تعلیم کس طرح دیجا سکے گی، اور دو دو چار چار کے لئے الگ الگ انتظام ناممکن ہے اس لئے عملاً یہ صورت بھی بے نتیجہ ہے،

ٹریننگ اسکولون کے داخلہ مین اردو جاننے والے طلبہ کی ترجیح کا بھی یہی حال ہے، جب ہندی ابتداً سے لازمی ہے، اور اردو کی حیثیت دوسرے مضامین کے ساتھ محض اختیاری مضمون کی ہے، اور اسکی تعلیم مین بھی طرح طرح کی رکاوٹین ہین، اور اس سے کوئی دنیاوی منفعت بھی حاصل نہین ہوتی تو ایسی صورت مین اردو پڑھنے والے اور پھر ٹریننگ اسکولون مین داخلہ لینے والے کتنے طالب علم اس سے واقف ہونگے جن کو ترجیح دیجائے گی، یہ اسی صورت مین ممکن تھا، جب تعلیم مین دونون زبانون کی حیثیت مساوی ہوتی، اس لئے ٹریننگ اسکولون مین داخلہ لینے والے بہت کم طلبہ اردو سے واقف ہین گے، اس لئے اس وعدہ کی حیثیت بھی دل کے بہلاوے سے زیادہ نہین ہے،

اگر گورنمنٹ کا مقصد محض طفل تسلی نہین ہے، بلکہ واقعی وہ اردو کی تعلیم مین سہولت پیدا کرنا چاہتی ہے، تو اس کی صورت صرف یہ ہے کہ صوبہ بمبئی کی طرح اس صوبہ کی بڑی آبادیون مین بھی اردو کے مستقل اسکول قائم کئے جائین اور کوئی بڑی آبادی ایسی نہین نکل سکتی، جہان اردو پڑھنے والے طلبہ کی کافی تعداد موجود نہ ہو، جب بمبئی جیسے صوبہ مین جس کی مادری زبان اردو نہین ہو اتنے اردو پڑھنے والے طلبہ موجود ہین، جن کے لئے اردو کے مستقل اسکول چل رہے ہین، تو اس صوبہ مین جس کی مادری زبان اردو ہے، اُن کی تعداد بمبئی سے کہین زیادہ ہو گی، اس سے کم سے کم یہ فائدہ تو ہو گا کہ شہرون اور بڑی آبادیون مین اردو کی تعلیم کا انتظام ہو جائے گا، موجودہ صورت مین تو شہرون تک مین اردو کی تعلیم مین بڑی دشواریان ہین اور وہ تقریباً ناممکن ہے،

اس نظام مین گورنمنٹ انتظام کی طوالت اور مصارف کی زیادتی کا عذر نہین کر سکتی، اس لئے کہ جب صوبہ بمبئی کی حکومت اردو کی تعلیم کا مستقل انتظام کر سکتی ہے، تو اس صوبہ کی حکومت کیون نہین کر سکتی، اور جب وہ ہندی کی تعلیم پر بے دریغ روپیہ صرف کر رہی ہے، تو اس کا کچھ حصہ اردو کی تعلیم پر صرف کرنے مین کیون بخل ہے، اس سے ایک فائدہ یہ بھی ہو گا کہ وزیر تعلیم نے ٹریننگ اسکولون کے داخلہ مین جن

طلبہ کو ترجیح دینے کا وعدہ کیا ہے، وہ بھی مل جائین گے، کیونکہ اردو اسکولون کے طلبہ اردو اور ہندی دونون زبانون سے واقف ہون گے، اور یہی طلبہ ٹریننگ حاصل کرکے انہی اسکولون مین کھپ جائین گے، اس کے علاوہ اردو کی تعلیم کی اور کوئی شکل نہین ہے، اور اب تک جو صورتین بھی اختیار کی گئی ہین وہ سب بے کار اور بے نتیجہ رہین، تاہم جن مقامات پر اردو کے چالیس طلبہ فراہم ہوجانے کا امکان ہو وہان یہ کوشش کرکے بھی دیکھ لینا چاہئے، مگر اس کام کو ضبط و نظام کے ساتھ کرنے کی ضرورت ہے، ایسے مقامون پر اردو کی تعلیم کی کمیٹیان قائم کی جائین، جو اردو پڑھنے والے طلبہ کی مطلوبہ تعداد فراہم کرین، اور اگر اسکولون کے ہیڈ ماسٹر اُن کے داخلہ مین کوئی رکاوٹ پیدا کرین، تو کمیٹی حیات اللہ صاحب انصاری دفتر اردو علاقائی زبان کمیٹی نظر باغ لکھنؤ یا پنڈت کشن پرشاد صاحب کول گنگا پرشاد میموریل ہال لکھنؤ کو اطلاع دے،

اردو کے معاملہ مین اس کے حامی بھی ذمہ داری سے بری نہین ہین، اُن کی غفلت اور لاپرواہی کا یہ حال ہو کہ اردو علاقائی زبان کی مہم اب تک تکمیل کو نہین پہنچ سکی، ابتدا مین تو بڑے زور شور کے ساتھ چلی تھی، مگر پھر اس کی رفتار اتنی سست پڑگئی کہ اس کی مدت مین دو مرتبہ توسیع کے باوجود اب تک دستخطون کی مطلوبہ تعداد فراہم نہین ہوسکی، علاقائی زبان کمیٹی کی مجلس عاملہ پوری طرح اپنا فرض انجام دے رہی ہے، مگر یہ ظاہر ہے کہ اس کے ارکان پورے ہندوستان کا دورہ کرکے دستخط حاصل کرنے کا کام انجام نہین دے سکتے، یہ فرض مقامی کارکنون کا ہے، اب مجلس عاملہ نے اس کام کو جلد سے جلد پورا کرنے کے لئے اپنا ایک سفیر مقرر کردیا ہو جو مختلف مقامون کا دورہ کرکے کام کا جائزہ دے گا، لیکن اس مہم کو انجام تک پہنچانا مقامی کارکنون کا کام ہے، اگر اردو کے حامی اس کی اتنی خدمت بھی نہ کرسکے تو انہین گورنمنٹ کا شکوہ کرنے کا کوئی حق نہین، اور یہ اُن کے لئے بڑا شرمناک واقعہ ہوگا، اس لئے یقین ہے کہ وہ نئے جوش و مستعدی کے ساتھ جلد سے جلد اس کام کو انجام تک پہنچانے کی کوشش کرین گے،

مقالات

جنایات بوجہ غفلت

چوتھا باب

از ڈاکٹر محمد غوث ایم اے، پی ایچ ڈی

(۲)

خاطی | قانون انگلستان کی رو سے بطور ایک عام قاعدہ کے ہر شخص کو یہ اختیار حاصل ہے کہ جنایت کے وقوع پر نالش دائر کرے، یہ نالش ہر اس شخص کے خلاف دائر کی جاسکتی ہے، جس سے جنایت کا صدور ہوا ہو[1]

اس عام قاعدہ کی چند استثنائی صورتین بھی ہین، ہر استثنائی صورت پر علحدہ علحدہ فصل مین بحث کی گئی ہے،

پہلی فصل

تاج کا استثنار | قانون انگلستان مین قرار دیا گیا ہے کہ کسی جنایت کی بنا پر تاج کے خلاف کوئی چارہ کار اختیار نہین کیا جاسکتا[2]

واضح ہو کہ تاج سے جو غفلت صادر ہوگی، وہ یا تو بذاتہ ہوگی یا ملازمون کے توسط سے[3]، اس کے

---

[1] کلرک اور لنڈس، ۸ ایڈیشن، ص ۳۰، ۱۹۲۱ء [2] سامنڈ، ۸ ایڈیشن ص ۱، ۱۹۲۶ء [3] بی وِن گ کی جنس ان ٹاہلی جلد ۱، ص ۲۱۶،

علاوہ تاج کے افعال اور دو قسم کے ہوسکتے ہین،

۱- وہ افعال جو تاج کے ذاتی ہون،

۲- وہ افعال جو تاج سے بحیثیت حکمران یا امیر سلطنت صادر ہون، تاج سے جو جنایت بذاتہٖ صادر ہو، اس کے سلسلہ مین ایک دستوری قاعدہ کلیہ پر عمل کیا جاتا ہے، وہ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ

"The King can do no wrong"

یعنی بادشاہ سے کوئی قصور صادر نہین ہوسکتا،

یہ قاعدہ انگلستان کے دستور کا ایک قدیم اور بنیادی اصول ہے[1] اس قاعدہ کا مطلب یہ ہے کہ بادشاہ سے کوئی قصور صادر نہین ہوسکتا، دوسرے الفاظ مین تاج کے خلاف غفلت، دھوکہ دہی یا دوسرے جنایتی خلاف قانون افعال کے ارتکاب کا الزام عائد نہین کیا جاسکتا[2]،

کسی ضرر رسان فعل کا حکم سلطانی فعل خلاف قانون ہوسکتا ہے، لیکن بادشاہ جوابدہ نہین ہے، یہ دستوری مقولہ کہ بادشاہ سے کوئی قصور صادر نہین ہوسکتا، بادشاہ کے صرف ذاتی افعال سے ہی متعلق نہین ہے، بلکہ اس کا اطلاق اس کے سیاسی اور حکومتی نوعیت کے افعال پر بھی ہوتا ہے[2] وہ صرف ان افعال تک محدود نہین ہے، جو بادشاہ سے بذاتہٖ صادر ہوتے ہون، بلکہ ان مضرت رسانیون کو بھی شامل ہین جن کو رعایا کا کوئی فرد بادشاہ کے حکم سے لایا ہو[3]،

ایک مقدمہ مین صراحت سے یہ طے کر دیا گیا تھا کہ بادشاہ کی ذاتی غفلت کے بارے مین کوئی کارروائی عمل مین نہین لائی جاسکتی[4]،

[1] ہربرٹ بروم۔ A selection of legal maxims ص ۳۴، ۱۹۲۴ء
[2] سامنڈ ٹارٹ ص ۵۸، ۱۹۳۶ء [3] بی ون گم بی جنس ۱ لا ص (۲۱) پہلی جلد [4] وائی کونٹ کنٹربری بمقابلہ اٹارنی جنرل (Viscount canterbury V. Attorney General)

لارڈ لنڈ ہرسٹ نے قطعیت کے ساتھ لکھا ہے کہ بادشاہ سے کسی غفلت یا قصور کو منسوب نہین کیا جاسکتا[1]،

قانون انگلستان کے اس کلیہ کی اصلاح کے لئے کوشش

بادشاہ بذاتہٖ اپنے ملازمون کی جنایتون اور غفلت کا ذمہ دار نہین ہے[2]، قانون انگلستان کے اس تشدد کو بتدریج کم کرنے کی برابر کوشش ہوتی رہی جس کی تفصیل کا یہ موقع نہین ہے، یہان اتنا لکھ دینا کافی ہے کہ زمانہ مابعد مین بعض خاص صورتون کے لئے یہ قاعدہ مقرر کر دیا گیا کہ پٹیشن آف رائٹ (Petition of Right) کے ذریعہ سے تاج سے دادرسی کی جاسکتی ہے، سامنڈ نے ان صورتون کی یہ وضاحت کی ہے،

۱- اگر تاج سے کسی معاہدہ کی خلاف ورزی عمل مین آئے، تو ہرجانہ پانے کے لئے دادرسی کا حق حاصل ہے،

۲- اگر کسی شخص کا کوئی مال تاج کے قبضہ مین ناجائز طور سے موجود ہو، تو اس کے رد عین کے لئے دادرسی کا حق ہے،

۳- اگر تاج نے کسی کے مال سے اس طرح استفادہ کیا ہو کہ رد عین محال ہو جائے، تو مال کی قیمت حاصل کرنے کے لئے دادرسی ہوسکتی ہے[3]،

لیکن اس کے ساتھ یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ پٹیشن آف رائٹ ٹارٹ (جنایت) کے لئے پیش نہین کی جاسکتی[4]،

اس موقع پر اس امر کی وضاحت بے محل نہین ہے کہ ۱۹۲۱ء مین لارڈ برکنہڈ نے جب وہ لارڈ چانسلر تھے، ایک کمیٹی اس غرض سے مقرر کی تھی کہ فریق مقدمہ کے اعتبار سے تاج کی حیثیت پر غور کیا جائے، چنانچہ ۱۹۲۷ء مین اس کمیٹی نے ایک مسودہ قانون مرتب کر کے پیش کیا، اس کی رو سے جاریہ قانون

[1] بموجب تعلیق نمبر ۳ [2] سامنڈ ٹارٹ ص ۱، ۱۹۳۶ء [3] ایضاً [4] کلرک اینڈ لنڈسل ٹارٹ ص ۳۳، ۱۹۲۱ء

مین حسب ذیل بنیادی تبدیلیان پیش نظر تھین،

۱- پٹیشن آف رائٹ کا قاعدہ منسوخ کرکے یہ قاعدہ مقرر کیا جائے کہ تاج کے خلاف ہائی کورٹ مین اسی طریقہ سے کارروائی عمل مین لائی جائے جس طرح عام افراد رعایا کے درمیان کارروائی عمل مین لائی جاتی ہے،

۲- تاج کو اس کی کسی جنایت کا ذمہ دار قرار دیا جائے،

۳- تاج کو اپنے ملازمون کے خلاف قانون افعال کا اسی طرح ذمہ دار قرار دیا جائے جس طرح کوئی دوسرا شخص اپنے کارندہ کے خلاف قانونِ افعال کا ذمہ دار ہوتا ہے،

اس مسودۂ قانون کی رو سے اُن امور مین کوئی مداخلت نہین کی گئی تھی، جن مین بادشاہ اپنی خانگی حیثیت سے کوئی کارروائی عمل مین لائے، یا خانگی حیثیت سے اس کے خلاف کوئی عدالتی کارروائی عمل مین لائی جائے[۱]،

مگر یہ مسودۂ قانون پارلیمنٹ مین پیش ہی نہین کیا گیا،

غرض قانون انگلستان کی رو سے تاج کے افعال کی یہ نوعیت قرار دی گئی ہے،

اسلامی قانون مین استثنیٰ نہین ہے

اب دیکھنا یہ ہے کہ اسلامی قانون کی رو سے امام یا امیر سلطنت کے جنایتی یا زیادہ وسیع صورت مین اس کے عام افعال کی کیا نوعیت اور حیثیت قرار دی گئی ہے،

سب سے اول یہ بات ذہن نشین کرلینی چاہئے کہ اسلامی قانون مین اس قسم کا کوئی نظریہ نہین ہے کہ بادشاہ سے کوئی قصور صادر نہین ہوسکتا،

قرآن مجید مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے باوجود منصب رسالت یہ اعلان کرنے کا امر ہوا کہ اِنّما انا بشر مثلکم[۲] (مین بھی تم لوگون کی طرح ایک انسان ہون) دوسرے الفاظ مین خود پیغمبر اسلام علیہ السلام

[۱] سامنڈ، ٹارٹ ص ۱، ۱۹۴۰ء [۲] سورۂ کہف آیت (۱۱۰) مزید تفصیل اور نظائر کے لئے ڈاکٹر محمد حمید اللہ

بھی اسلامی معاشرہ کے ایک رکن اور سلطنتِ اسلامیہ کے ایک شہری تھے، اور آپ کی ذات گرامی بھی شریعت یا اسلامی قانون کے تابع تھی، خود قرآن شریف مین حضرت شارع اسلام علیہ التحیۃ والسلام کو یہ اعلان کردینے کی ہدایت ہوئی کہ

اِنّی اخاف ان عصیت ربی عذاب یوم عظیم[۱] — اگر مین اپنے رب کی نافرمانی کرون تو مجھے قیامت کے عذاب کا خوف ہے،

جب خود شارع علیہ السلام کی برگزیدہ ہستی بھی شریعت کی تابع ہو تو کسی اور مسلمان کا کیا سوال خواہ وہ کوئی معمولی شہری ہو، یا امیر کبیر کوئی بھی شریعت اسلامیہ کے عام احکام سے مستثنیٰ نہین ہوسکتا،

پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے پہلے عام خطبہ مین یہ بات بھی فرمائی کہ

"مین بشر ہون صواب بھی کرون گا اور خطا بھی"،

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے ایک خطبہ مین یہ ارشاد فرمایا کہ

فانی واحد کاحد کم — مین بھی تم لوگون کی طرح تمھاری جماعت کا ایک فرد ہون

امیر کے افعال بحیثیت امیر حکومت

اس عام اصول کے معلوم ہو جانے کے بعد بطور قاعدہ کلیہ کے یہ جاننا چاہئے کہ اگر امیر سلطنت کے ان افعال سے جو بحیثیت حکمران صادر ہون، رعیت کے کسی فرد کو کوئی مضرت پہونچے، تو امیر پر اسکی ذمہ داری عائد نہ ہوگی، خواہ مضرت رسان فعل کا صدور امیر سے بالذات ہوا ہو یا بذریعہ ملازمین،

امام اعظم کا مسلک

اس کی توضیح یہ ہے کہ اگر شریعت کے احکام کو نافذ کرنے یا کرانے مین خلاف توقع

(بقیہ حاشیہ ص ۸۸) کا مضمون رسالہ اسلامک کلچر، حیدرآباد بابتہ اپریل ۱۹۴۱ء ص ۱۹۱ و مابعد ملاحظہ ہو، بعنوان مسلم کنڈکٹ آف اسٹیٹ [۱] سورۃ الانعام آیت ۱۵ و سورۂ زمر آیت (۱۳)

کوئی امر ایسا وقوع میں آجائے جس سے کسی کی جان یا مال کو نقصان پہونچ جائے، تو ایسی صورت میں خواہ امیر نے براہ راست قانون کو جاری کیا ہو، یا اس کے مامورین نے امیر کے حکم سے قانون نافذ کیا ہو، دونوں صورتوں میں کسی پر اس نقصان کی کوئی ذمہ داری قطعاً عائد نہ ہوگی، یہ امام اعظم کا مسلک ہے، علامہ مرغینانی نے صراحت کی ہے کہ

"اگر امام نے کسی شخص پر حد جاری کی، یا تعزیر کی، اور اس کی وجہ سے ہلاکت واقع ہوگئی، تو یہ خون ہدر (ساقط) ہو جائے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ امام کی جانب سے جو امر عمل میں آیا وہ شرع کے حکم سے ہے، اگر کوئی شخص کسی حکم کے عمل میں لانے پر مامور ہو تو اس کا فعل شرط سلامتی کے ساتھ مقید نہیں کیا جاتا[1] جیسے فصد کھولنے والے، یا بیطار کا فعل شرط سلامتی کے ساتھ مقید نہیں ہے"[2]

دوسرے ائمہ کا مسلک

یہ اصول دوسرے ائمہ کے ہاں بھی مسلم ہے، البتہ تھوڑا سا اختلاف ہے، اس بارے میں امام شافعی کے مسلک کی وضاحت حسب ذیل بیان سے ہوگی، کتاب الام میں ہے کہ

"ربیع بن سلیمان کا بیان ہے کہ میں نے امام شافعی سے دریافت کیا کہ اگر امام کسی شخص کو تادیب کی غرض سے مارے اور وہ شخص فوت ہو جائے یا حد جاری کرنے میں فوت ہو گیا تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے، انھوں نے جواب دیا کہ اگر کسی امر میں امام کے لئے حد جاری کرنے کے سوا دوسری کوئی صورت جائز نہ ہو تو اس صورت میں اگر سزایاب شخص حد جاری کرنے سے ہلاک ہو جائے، تو امام پر کوئی ذمہ داری عائد نہ ہوگی، مثلاً ایک شخص نے ایسا سرقہ کیا جس میں قطع ید واجب ہے، اس صورت میں اگر ہاتھ کاٹنے سے سارق کی موت واقع ہوگئی، تو امام

---

[1] فعل المامور لا یتقید بشرط السلامۃ [2] ہدایہ، جلدین آخرین ص ۵۲۶ مطبوعہ مصطفائی ۱۳۰۳ھ [3] فتاوی قاضی خان ص ۷۷، تیسری جلد

پر نہ دیت لازم ہوگی، اور نہ کفارہ لازم آئے گا"[4]

کتاب الام میں ایک دوسری جگہ بھی یہ صراحت ہے کہ اگر حد کی وجہ سے موت واقع ہو جائے تو امام پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے، فَلَا عَقْلَ فِیْہِ وَلَا قَوَدَ وَلَا کَفَّارَۃَ عَلَی الْاِمَامِ[5]

امام شافعی کا مسلک تعزیر میں

لیکن تعزیر کی صورت میں احناف کے خلاف امام شافعی نے حاکم یا امام کو جنایت کا ذمہ دار قرار دیا ہے، چنانچہ کتاب الام میں ہے کہ

"اگر سلطان غیر حد میں کسی شخص کو سزا دے اور اس کی وجہ سے سزایاب شخص فوت ہو جائے تو سلطان پر ذمہ داری عائد ہوگی"[6]

اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ سلطان پر تادیب عمل میں لانا اور حد جاری کرنا دونوں لازم ہیں پھر حد جاری کرنے کی صورت میں جو ہلاکت واقع ہو، اس کو کیوں ساقط کر دیا گیا، اور تادیب سے جو موت وقوع میں آئے، اس کی ذمہ داری کیوں عائد کی گئی تو امام شافعی نے اس کا جواب دیا ہے کہ حد جاری کرنا سلطان پر فرض ہے، اگر وہ حد جاری نہ کرے، تو گنہگار ہوگا، لیکن تادیب عمل میں لانا سلطان کی اپنی رائے پر موقوف ہے، اور ترک تادیب جائز بھی ہے،[7]

ضمان بیت المال سے ادا ہوگا

امام شافعی کے مسلک کے لحاظ سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر ضمان کی ذمہ داری کس پر عائد ہوگی، ضمان بیت المال سے ادا کیا جائے گا، یا کسی اور طریقے سے امام شافعی کے نزدیک ذمہ داری بیت المال پر عائد ہوگی، کیونکہ سلطان کے عمل کا فائدہ عامۃ المسلمین کو پہنچتا ہے، اس لئے ضمان کی ادائی بھی انہی کے مال سے ہوگی[8]

---

[4] کتاب الام ص ۶۰، جلد ۶ [5] یعنی امام پر نہ تو دیت لازم ہوگی، نہ قصاص اور نہ کفارہ، کتاب الام ص ۶۰، جلد ۶ [6] و [7] کتاب الام ص ۶۱، جلد ۶ [8] کتاب الام ص ۶۶ و ۶۷، جلد ۶

حنابلہ کا مسلک اس بارہ مین حنابلہ احناف کے ہم مسلک ہین، چنانچہ شرح کبیر مین ہے،

"اگر سلطان کسی رعیت کی تادیب کرے، لیکن حد سے نہ بڑھ جائے، اور تادیب ہلاکت کی جانب مفضی ہو تو اس صورت مین سلطان پر ذمہ داری عائد نہ ہوگی، کیونکہ تادیب شرعاً ماذون ہے، اس لئے اس کی وجہ سے اگر ہلاکت واقع ہو جائے، تو کوئی ذمہ داری عائد نہین ہوتی، جیسے کہ حد و تعزیر مین[1]"،

اس بیان سے یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ حنابلہ نے تادیب مین احناف کے برخلاف شرط سلامتی کی قید لگائی ہے،

حکم سلطانی سے جنایت کا ارتکاب مذکورۂ بالا قانون تو ان صورتون کے لئے ہے، جب براہ راست سلطان یا امیر سے جنایت عمل مین آئے، لیکن اگر کوئی دوسرا شخص حکم سلطانی کی بنا پر جنایت کا ارتکاب کرے، تو اس کی ذمہ داری امیر یا سلطان پر کس حد تک عائد ہوگی،

اس شکل مین امام شافعی کے نزدیک اگر امام کے حکم سے کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو قتل کرے تو امام پر ذمہ داری عائد ہوگی، اور اس سے قصاص لیا جائے گا، مامور پر کوئی ذمہ داری عائد نہ ہوگی، نہ دیت کی، اور نہ قصاص کی، لیکن اگر مامور کو یہ معلوم ہے کہ قتل کا حکم ظلماً دیا گیا تھا تو اس صورت مین امام اور مامور دونون پر ذمہ داری عائد ہوگی، اور دونون کی حیثیت قاتلین بالاشتراک کی ہو جائے گی، اور مامور پر سے قصاص کی ذمہ داری اس وقت زائل ہوگی جب وہ یہ دعویٰ کرے کہ اسکو قتل کرنیکا جو حکم دیا گیا تھا اسکو وہ حق بجانب سمجھتا تھا، اور اگر مامور یہ جانتا تھا کہ قتل کا حکم ظلماً دیا گیا ہے، لیکن والی نے اکراہ یعنی ناجائز دباؤ ڈال کر اس سے تعمیل کرائی تو اس صورت مین بھی امام پر سے قصاص زائل نہ ہوگا،[2]

حنابلہ کا مسلک فقہائے حنابلہ نے بھی اس مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے،

[1] شرح الکبیر ص ۵۰۴ جلد ۹۔ [2] ایضاً،

مذہب حنبلی کی توضیح مغنی مین اس طرح کی گئی ہے کہ اگر سلطان کسی آدمی کو حکم دے کہ وہ کسی دوسرے آدمی کو مار ڈالے اور اس حکم پر مامور قتل کا ارتکاب کر دے تو اس صورت مین، اگر قاتل کو اس امر کا علم تھا کہ مقتول قتل کا مستحق نہین تھا، تو قاتل پر ذمہ داری عائد ہوگی، آمر (سلطان) پر نہ ہوگی، اور قاتل کو اپنے فعل مین معذور نہین سمجھا جائے گا، کیونکہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ہے،

لاطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق، — یعنی کسی مخلوق کے لئے خالق کی نافرمانی مین کسی کی اطاعت جائز نہین،

نیز یہ بھی ارشاد فرمایا کہ

من امرکم من الولاۃ بغیر طاعۃ اللہ فلا تطیعوہ، — اگر کوئی والی خدا کی اطاعت کے علاوہ کسی کام کا حکم دے، تو اس کی اطاعت نہ کرو،

اس لئے قاتل پر قصاص واجب ہوگا، اور یہ صورت اس صورت کے مشابہ ہوگی کہ سلطان کے حکم سے نہین بلکہ کسی دوسرے شخص کے حکم سے قتل کیا ہو، اس لئے ذمہ داری مرتکب پر ہوگی، نہ کہ آمر پر،

اور اگر قاتل کو اس امر کا علم نہین تھا کہ سلطان نے جس شخص کے قتل کا حکم دیا ہے، وہ قتل کا مستحق نہین تھا، تو ذمہ داری آمر (سلطان) پر عائد ہوگی، اور قاتل کو معذور سمجھا جائے گا، کیونکہ اس پر امام کی اطاعت واجب ہے، اگرچہ یہ اصول ہے کہ کسی امیر کی اطاعت معصیت مین نہین ہو سکتی، لیکن جب اس کا علم نہ ہو تو ظاہری طور سے یہی خیال کیا جائے گا، کہ امام کوئی ناواجب حکم نہین دیگا[1]

ثمرۂ اختلاف فقہا ان دونون بیانون سے یہ امر واضح ہوا کہ امام پر اس کے حکم کی بنا پر ذمہ داری کے تعین مین امام شافعی اور فقہائے حنابلہ مین اختلاف ہے، اس اختلاف کا ثمرہ یہ ہے کہ

۱۔ اگر مامور کو علم ہو کہ اس کو جو حکم دیا گیا تھا، وہ مبنی بر ظلم تھا، تو امام شافعی کے نزدیک آمر اور مامور

[1] موفق الدین ابن قدامہ مغنی ص ۴۷۹ جلد ۹،

دونوں ذمہ دار ہوں گے، اور حنابلہ کے نزدیک صرف مامور ذمہ دار ہوگا،

۲- اگر مامور کو علم نہ ہو تو اس شکل میں امام شافعی اور حنابلہ دونوں نے امام کو ذمہ دار قرار دیا ہے،

۳- اگر یوں عام طور سے مامور حکم کی تعمیل کردے، تو امام شافعی کے نزدیک آمر (سلطان) یا امام ذمہ دار ہے، اور مامور بری ہے،

احناف کا مسلک حنابلہ کے برعکس احناف کا مسلک امام شافعی کے مطابق ہے، احناف کے مسلک کو علامہ علاء الدین الطرابلسی نے اس طرح واضح کیا ہے کہ

قال فی الذخیرۃ یضمن الآمر لو کان سلطانا لا لو کان غیرہ[1]، — یعنی اگر آمر سلطان ہو، تو وہ ذمہ دار ہوگا، اور سلطان آمر نہ ہو، تو وہ ذمہ دار نہ ہوگا،

فقہائے احناف نے یہ اصول پیش نظر رکھا ہے کہ

فکل موضع لم یصح الامر لا یضمن الآمر[2]، — جہاں حکم دینا صحیح نہ ہو وہاں آمر ذمہ دار نہ ہوگا،

ایک عام فقہی اصول اس مسئلہ کے سلسلہ میں ایک اور اصول فقہا نے واضح کیا ہے، اس کا تذکرہ بے محل نہ ہوگا، وہ اصول یہ ہے کہ

"لیس للامام الاذن فی ما یضر بالمسلمین ولو فعل ذلک الامام یضمن تلف بہ لتعدیہ[3]، — یعنی امام کے لئے یہ امر جائز نہیں ہے کہ وہ کسی شخص کو ایسے کام کی اجازت دے، جس سے عام مسلمانوں کو ضرر پہنچتا ہے، اور اگر اس نے ایسی اجازت

[1] معین الحکام ص ۱۹۲ [2] علاء الدین الطرابلسی معین الحکام ص ۱۹۲ [3] موفق الدین ابن قدامہ المغنی ص ۵۶۶ جلد ۹

دی اور اس کی وجہ سے کوئی اتلاف عمل میں آیا تو امام پر اس کی تعدی کی وجہ سے ہرجانہ کی ادائی لازم ہو جائے گی،

امام کی جنایت ذاتی حیثیت میں یہ بحث یہاں ختم کی جاتی ہے اب یہ دیکھنا ہے کہ اگر امام سے ذاتی حیثیت سے بذاتہ جنایت صادر ہو تو اس کے متعلق فقہ اسلامی میں کیا حکم ہے،

علامہ موفق الدین بن قدامہ کا بیان ہے کہ ولاۃ وعمال اور رعایا کے درمیان آیات قرآنی اور حدیثوں کے عموم حکم کی بنا پر قصاص جاری ہوگا، انھوں نے اس کی بھی صراحت کی ہے کہ اس بارہ میں اس کو کسی اختلاف کا علم نہیں ہوا[1]،

ولاۃ اور عمال سے اگر حکومت کے عہدہ دار اور ملازمین مراد لئے جائیں، تو سلطان کے متعلق بھی ابن قدامہ نے ایک دوسرے مقام پر یہ صراحت کی ہے کہ

"اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ اگر کوئی شخص کسی آزاد مسلمان کو قتل کردے تو قاتل سے قصاص لیا جائے گا، خواہ پہلے سے مقتول کے ہاتھ پیر کٹے ہوئے اور اس کے حواس معدوم ہی کیوں نہ ہوں، اور قاتل بھلا چنگا اور کامل الحواس کیوں نہ ہو، اگر صورت حال اس کے برعکس ہو، تو اس وقت بھی یہی حکم ہے، اسی طرح اگر قاتل و مقتول میں علم و شرف، ثروت و فقر، صحت و مرض، قوت و ضعف، بزرگی و کم عمری، اور سلطانی و رعیت کے اعتبار سے تفاوت ہو تب بھی بالاتفاق قصاص روکا نہیں جا سکتا[2]"

جب جنایت قتل کے متعلق یہ حکم ہے تو دوسری جنایتوں کے بارہ میں بھی یہی حکم ہوگا،

خلاصۂ بحث اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ انگلستان کے قانون کا اصول یہ ہے کہ بادشاہ

[1] المغنی ص ۲۵۵ جلد ۹ [2] ایضاً ص ۳۳۲ جلد ۹

سے کوئی قصور صادر نہیں ہوسکتا، لیکن اسلام اس اصول کا قطعی طور سے مخالف ہے،

دوسری فصل کا خلاصہ[1]

غیر ممالک کے بادشاہ اور سفراء

انگلستان کا قانون یہ ہے کہ غیر ملکوں کے بادشاہ اور سفیر اپنی جنایتوں کے لئے ذمہ دار نہیں ہیں، خواہ انہوں نے جنایت کا ارتکاب خود انگلستان کی سرزمین پر کیوں نہ کیا ہو، لیکن اسلامی ضوابط کے تحت یہ استثنیٰ جائز نہیں ہوسکتا،

تیسری فصل کا خلاصہ

ماتحت ملکوں کے گورنر

انگلستان کے قانون کی رو سے اگر عدالت میں یہ امر ثابت ہوجائے کہ ماتحت ملکوں کے گورنروں نے جو امور انجام دیئے وہ حکومت کے نظم ونسق کے سلسلہ میں تھے تو پھر گورنروں پر کوئی ذمہ داری عائد نہ ہوگی، البتہ ایسے خلافِ قانون افعال کی ذمہ داری سے جو گورنروں سے خانگی حیثیت سے صادر ہوئے ہوں، وہ بری نہ ہوسکیں گے،

اسلامی قانون کی رو سے گورنروں کے حکومتی افعال کے بارے میں وہی قواعد نافذ ہوں گے جو خود امیر کے متعلق موجود ہیں[2]،

گورنر کے ذاتی افعال بھی امیر کے ذاتی افعال کی طرح قابلِ مواخذہ ہوں گے، گویا اس مسئلہ میں اسلامی فقہ اور انگلستانی قانون میں موافقت ہے،

---

[1] اس فصل اور بعد کی پانچ فصلوں کا صرف خلاصہ لکھا گیا ہے، البتہ آٹھویں فصل جو شادی شدہ عورتوں کے متعلق ہے، پوری نقل کی جائے گی،

[2] ان قواعد کی صراحت پہلی فصل میں ہوچکی ہے،

چوتھی فصل کا خلاصہ

عدالتی عہدہ دار

قانون انگلستان کی رو سے کسی عدالتی عہدہ دار کا کوئی ایسا فعل جو عدالتی عہدہ دار کی حیثیت سے عمل میں آیا ہے، کسی نالش کی بنا نہیں قرار پاسکتا، خواہ یہ فعل کینہ کی وجہ سے کیوں نہ عمل میں آیا ہو، اور ذاتی غیظ وغضب فرو کرنے کے لئے کیوں نہ ہو، اس قاعدہ کے پہلے جزء کے بارے میں اسلامی قانون بھی انگلستان کے قانون سے مختلف نہیں ہے،

جزء دوم کے بارہ میں یہ قاعدہ ہے کہ جب قاضی اسباب معلومہ اور شروط وقواعد مقررہ کے مطابق حکم دے تو پھر اس کے نفاذ میں کوئی امر مانع نہیں ہوسکتا، خواہ اس حکم کے صادر کرنے میں قاضی کے دل میں خصومت کیوں نہ ہو کیونکہ "لا حکم الا بالظاھر"[1] کی عمومیت کا اطلاق اس مسئلہ پر بھی ہوگا، اس طرح یہاں بھی دونوں نظاموں میں کوئی تباین نہیں ہے، اور اگر قاضی درحقیقت غصہ میں بھی ہو، تو اس کے متعلق بھی قاضی ابن رشد کا بیان ہے کہ سب فقہاء کے نزدیک قاضی کا حکم نافذ ہوجائے گا[2]،

ان مسائل کے سلسلہ میں قانون انگلستان کا ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص عدالت کے حکم سے کوئی کام انجام دے تو اس پر بھی کسی ذمہ داری کا وجوب نہیں ہوگا،

اسلامی فقہ میں بھی یہی اصول ہے کہ چنانچہ علامہ عزالدین بن عبدالسلام نے وضاحت کی ہے کہ "اگر کوئی شخص کسی دوسرے کے مال پر خواہ غلطی ہی سے قبضہ کرے تو ذمہ داری عائد ہوجاتی ہے، لیکن حکام کے مقرر کئے ہوئے امناء اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں، بشرطیکہ ان کو کسی چیز کے خریدنے کا ذمہ دار بنایا گیا ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر ان صورتوں میں ذمہ داری

---

[1] کتاب الام ص ۱۹۹ جلد ۷ [2] بدایۃ المجتہد ص ۳۶۵ جلد ۲،

عائد کی جائے گی، تو لوگ حکم (حاکم) کی بنا پر خرید و فروخت عمل مین لانے سے باز رہجائین گے[۱]۔

پانچوین فصل کا خلاصہ

عام سرکاری ملازمین

قانون انگلستان مین جنایت کی ذمہ داری سے تاج کی بریت مین دوسری ملازمین سرکاری شامل نہین ہین، سرکاری ملازم اپنے جنایات کا ذاتی طور سے ذمہ دار ہے، اس کی جانب سے یہ جوابدہی نہین ہوسکتی کہ اس نے جنایات کا ارتکاب اپنے عہدہ کی حیثیت سے یا تاج کی جانب سے یا اعلیٰ عہدہ دار مقتدر کے حکم یا ایما سے کیا ہے[۲]۔

فقہ اسلامی مین اس بارہ مین جو قاعدہ مقرر ہے اس کے سلسلہ مین اس کا اظہار کافی ہے کہ قرآن مجید کا یہ ارشاد کہ "لا تکسب کل نفس الا علیها و لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ[۳]" اسلام کا ایک قطعی اصول ہے، جس کو بتکرار بیان کیا گیا ہے[۴]۔

اس مفہوم کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی متعدد ارشادات ہین، چنانچہ حجۃ الوداع کے خطبۃ الاسلام[۵] یا خطبۃ الحقوق[۶] مین آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ

"مجرم اپنے جرم کا آپ ذمہ دار ہے، باپ کے جرم کا بیٹا ذمہ دار نہیں ہے اور بیٹے

۱ القواعد ص ۸۰ ۲ ایبلی جلد ۳ سالمنڈ، پارٹ ص ۲، ۱۹۲۸ء ۳ قرآن شریف سورۃ الانعام آیت ۱۶۵ ۴ سورۃ الفاطر، آیت ۱۸، الزمر آیت ۷، الشوری آیت ۱۵، النجم آیت ۳۸ ۵ حضرت ابن عباسؓ اس خطبہ کو خطبۃ الاسلام فرمایا کرتے تھے ۶ آج دنیا مین انسان کے بنیادی حقوق کی دھوم ہے، اور خوش فہمی سے اس کا مصدر و منشا انگلستان کے منشور اعظم (میگنا چارٹا) کو خیال کیا جاتا ہے، لیکن در اصل اس کا ماخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی خطبہ ہے، تفصیلات انشاء اللہ ناظرین معارف کے صفحات پر پڑھیں گے،

کے جرم کا باپ جوابدہ نہین[۱]"۔

اسی بنا پر فقہاء کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے ہر گنہگار پر اس کے گناہ کی ذمہ داری عائد کی ہے اور کسی کے جرم کا دوسرے کو ذمہ دار نہین ٹھہرایا[۲]،

اس عام اصول کے لحاظ سے اگر کوئی شخص کسی شخص کو کسی دوسرے کا مال لے لینے کے لئے کہے تو ذمہ داری آخذ پر ہوگی، نہ کہ آمر پر[۳]،

اس طرح اس مسئلہ مین اسلامی اور انگلستانی قانونی نظامون مین اتفاق ہے،

چھٹی فصل کا خلاصہ

نابالغ کی جنایت

نابالغ کی جنایت کے بارہ مین انگلستان کے قانون سے یہ امور مستفاد ہوتے ہین،

۱- کوئی باپ اپنے بچون کی جنایت کا ذمہ دار نہین ہے،

۲- نابالغ عام طور پر اپنی جنایت کا خود ذمہ دار ہے،

۳- عموماً نابالغ پر ذمہ داری اسی طرح اور اسی حد تک عائد ہوگی، جس طرح اور جس حد تک بالغ افراد پر عائد ہوتی ہے،

۴- البتہ بعض قوانین کے تحت کسی شخص پر اس وجہ سے ذمہ داری عائد نہین کی جاتی، کہ مدعیٰ علیہ ایک مقررہ عمر کو نہین پہنچا ہے،

۵- کسی بچہ کو غفلت کا ذمہ دار قرار دینے کے لئے یہ ثابت کرنا چاہئے کہ بچہ نے اس حد تک احتیاط نہین برتی، جو کہ اس عمر کے بچون سے بطور معقول متوقع ہوسکتی ہے[۴]"،

۱ سیرۃ النبی حصہ اول مجلد دوم طبع دوم ص ۱۶۲، بحوالہ ابن ماجہ و ترمذی ۲ کتاب الام ج ۲ جلد ۷ ۳ معین الحکام ص ۱۹۲ ۴ سالمنڈ پارٹ ص ۸۲ تا ۸۶،

ان تمام امور مین اسلامی احکام مین بھی کوئی تباین نہین ہے،

۱۔ مسئلۂ اول کے سلسلہ مین جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ

"مجرم اپنے جرم کا آپ ذمہ دار ہے، باپ کے جرم کا بیٹا ذمہ دار نہین ہے، اور بیٹے کے جرم کا باپ جواب دہ نہین"

نیز ابورمثہ کے ساتھ ان کے بیٹے کو دیکھ کر جو کلمات آپ نے ارشاد فرمائے علامہ سرخسی نے ان کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ

"بچہ کی جنایت کا مواخذہ باپ سے نہین ہوگا، اور باپ کی جنایت کا مواخذہ بیٹے سے نہین ہوگا"

اس اصل سے جو احکام متفرع کئے گئے ہین، ان مین امام مالک سے یہ منقول ہے کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کے پاس اپنی کوئی چیز امانت رکھوائی، اور اس کے چھوٹے بیٹے نے اس کو تلف کردیا تو اس کا ضمان بچہ کے مال سے دینا ہوگا، اگر بچہ کا کچھ مال نہ ہو تو اس پر دین رہے گا،

قاضی خان نے لکھا ہے کہ اگر بچہ کے پاس کچھ مال نہ ہو، تو ادائی کی سہولت حاصل ہونے تک انتظار کیا جائے گا، اور "فنظرة الی میسرة" کے پیش نظر مہلت دیجائے گی،

۲۔ یہ امر مذکورۂ بالا اصول سے صاف واضح ہے کہ نابالغ شخص عام طور پر اپنی جنایت کا خود ذمہ دار ہے، اسی اصول کی بنا پر اصولیین کے نزدیک حقوق عباد کے سلسلہ مین غرم (ضمان یا تاوان) بچہ پر لازم ہو جاتا ہے، اگرچہ بچہ ممیز نہ ہو، گویا ہر عمر کے بچہ پر نالش دائر ہو سکتی ہے،

۳۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ نابالغ پر اسی طرح اور اسی حد تک ذمہ داری عائد ہوگی جس طرح

مبسوط ص ۶۵ جلد ۲۰، درمختار ص ۳۵ جلد ۴، فتاوی ص ۳۰۳ جلد ۴، نورالانوار صفحہ ۲۸۳،

اور جس حد تک بالغ افراد پر عائد ہوتی ہے یا کوئی فرق ہوگا، اوپر کی تصریحات سے واضح ہوا ہوگا کہ ذمہ داری مالی طور سے عائد ہوگی، علامہ سرخسی نے تصریح کر دی ہے کہ نابالغ ضمان کی ادائی کا پوری طرح اہل اور اس امر مین بالغ شخص کے مساوی ہے،

۴۔ اسلامی فقہ مین بھی یہ اصول مسلّم ہے کہ کسی شخص پر اس وجہ سے ذمہ داری عائد نہین کیجاتی کہ وہ ایک مقررہ عمر کو نہین پہنچا،

اسلامی فقہانے ایک عام اصول یہ بیان کیا ہے کہ

"انه قد یثبت من جهة الفعل ما لا یثبت من جهة القول"

اس مقولہ کا منشا یہ ہے کہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کبھی قول کی وجہ سے جو ذمہ داری عائد نہین ہوتی مگر فعل کی وجہ سے عائد ہو جاتی ہے، جیسے کہ بچہ معاہدہ، کفالت یا اقرار نامہ وغیرہ مین اپنے قول کی وجہ سے ذمہ دار نہین ہوتا، لیکن بعض صورتون مین اپنے فعل کی وجہ سے ذمہ دار ہو جاتا ہے،

۵۔ بچون کو جنایت کا ذمہ دار قرار دینے مین اسلامی فقہانے بھی یہ ضروری قرار دیا ہے کہ یہ ثابت کیا جائے کہ بچہ نے اس حد تک احتیاط نہین برتی، جس کی اس عمر کے بچون سے بطور معقول توقع ہو سکتی ہے،

اس مسئلہ کے سلسلہ مین ایک مثال بیان کر دینا مناسب ہوگا،

"ایک شخص نے ایک دوسرے شخص کے پاس اپنی کوئی چیز امانت رکھوائی، مودع نے یہ چیز اپنی دوکان مین رکھ دی، اور نماز جمعہ کے لئے گیا، تو دوکان کا دروازہ کھلا چھوڑ گیا، اور ایک چھوٹے بچے کو دوکان کی حفاظت کے لئے بٹھا گیا، ودیعت دوکان سے غائب ہوگئی، اس

مبسوط ص ۶۰ جلد ۲۶، مدونہ مین اس کی مثال بہت صراحت سے بیان کی گئی ہے، ص ۳۵۲ جلد ۴،

الاصول ابوالحسن الکرخی، ص ۱۸، مطبوعہ مصر، اصول فقہ کی کتابون مین "صغر" کے مباحث کے سلسلہ مین ان امور پر کافی روشنی ڈالی جاتی ہے، دیکھئے نورالانوار ص ۲۸۷،

صورت مین امام ابوبکر محمد بن فضل کے نزدیک اگر بچہ اس عمر کا تھا کہ ضبط قائم رکھ سکتا، وہ

حفاظت کرسکتا تھا، تو مودع پر کوئی ذمہ داری عائد نہ ہوسکے گی، اور اگر بچہ ایسا تھا

کہ ضبط قائم نہین رکھ سکتا تھا، تو مودع پر ذمہ داری عائد ہوگی،[1]

ساتوین فصل کا خلاصہ

مجنون | سرجان سامنڈ کا بیان ہے کہ اگر مجانین جنایت کے مرتکب ہون، تو اُن

کی ذمہ داری کے متعلق انگلستان کے قانون مین کوئی مناسب سند موجود نہین ہے[2] لیکن

انھون نے کسی قدر اعتماد کے ساتھ یہ راے بھی دی ہے کہ جنون بذاتہ کوئی وجہ استثنیٰ

نہین ہے،[3]

انھون نے اس کی مزید وضاحت اس طرح کی ہے کہ

"ایسے خلاف قانون افعال جو مرتکب کی اپنی صواب دید سے دوسرے شخص

کی ذات یا جائداد یا عزت وغیرہ کے خلاف صادر ہون، مثلاً مداخلتِ بے جا

اور اتلافِ وغیرہ تو اس کے سلسلہ مین مرتکب کا جنون ثابت کرنے سے کوئی

جواب دہی نہین ہوسکتی، کوئی مجنون جنون کی حالت مین کسی دوسرے مال کو اپنا سمجھ کر

اپنے استعمال کے لئے اس کا اتلاف عمل مین لائے، تو وہ اسی طرح ذمہ دار ہوگا،

جس طرح صاحب عقل[4]؛

[1] فتاوی قاضی خان صفحہ ۳۳۵ جلد ۴ [2] و [3] ہارٹ صفحہ ۸۶ ۱۹۲۶ء، [4] ہارٹ صفحہ ۲۰۶ و ۸۰ ۱۹۲۶ء عیسوی، نیز ملاحظہ ہو لاز آف انگلینڈ صفحہ ۴۶۳ جلد ۲۱،

غرض مجنون کی حالت بھی صغیر کی حالت کے مماثل ہے، اسلامی فقہا نے بچہ اور مجنون کے

متعلق ایک ساتھ بحث کی ہے[1] اور انھون نے بھی یہی قرار دیا ہے کہ جنون کی وجہ سے عبادات

ساقط خیال کئے جاتے ہین لیکن تلف کردہ اشیاء کا ضمان ساقط نہین ہوتا،[2] (باقی)

[1] ہدایہ صفحہ ۳۳۰ جلد ین آخرین، مبسوط صفحہ ۸۰ جلد ۲۶، نورالانوار صفحہ ۲۰۷، [2] نورالانوار صفحہ ۲۰۸،

وحشی یزدی

از

ڈاکٹر نذیر احمد ایم اے، پی، ایچ، ڈی، ڈی لٹ

(۲)

بعض چھوٹے چھوٹے سفر (۱) بافق: اپنے وطن بافق سے نکلنے کے بعد وحشی نے ایک طویل مدت کاشان اور یزد میں گذاری، انہی ایام میں ایک بار پھر اُسے بافق جانے کا اتفاق ہوا، اگرچہ کوئی ایسا قرینہ نہیں جس سے اندازہ لگایا جائے کہ وحشی اس وقت کہاں تھا، مگر اس کا قیام یزد میں اغلباً زیادہ قرین قیاس ہوگا، وہ اپنے وطن بافق گیا، اور سات ماہ تک ٹھہرا رہا، مگر کسی نے ہمدردی کا برتاؤ نہیں کیا، اس لئے وہاں سے رخصت ہوا، جیسا کہ ایک قطعہ میں کہتا ہے[1] :-

آیا آفتاب معلّی جناب | کہ از سایہ ات آسمان پایہ جواست
در اظہار انعام حکام بافق | سخن بر لب و گریہ ام در گلوست
دران دہ مجا ور شدم ہفت ماہ | ازان رو کہ اطلاق دادن بر دست

(ب) تفت: یزد کا خاص مقام یہی تھا، رشید کے قول[2] کے مطابق یزد سے دس فرسنگ کے فاصلہ پر واقع تھا، مگر امین احمد نے ہفت اقلیم[3] میں یزد اور تفت کا فاصلہ صرف ۴ فرسنگ بتایا ہے،

تفت کو قدرت نے بڑا دلفریب بنایا تھا، دو پہاڑوں کے درمیان واقع تھا، اور دلنشین عمارات کی

[1] دیوان مطبوعہ ص ۸۰، [2] مقدمۂ فرہاد و شیرین، حاشیہ ص ۲۱ [3] ص ۱۶۸، ۱۶۹،

کی کثرت اور بہشت آئین باغات کی افراط کی وجہ سے گلزار گاہ[1] پر فوقیت رکھتا تھا، اس کے درمیان ایک نہر بہتی تھی، جو کبھی کبھی خشک ہو جایا کرتی تھی، مؤلف کا بیان ہے کہ اگر اس کا پانی خشک نہ ہوتا تو روے زمین پر کوئی مقام ایسا فرحت بخش نہ ہوتا، میر میران نے اپنی قیام گاہ اسی کو قرار دیا تھا، یہاں عالی شان محل بنوائے، اور عمدہ باغات لگوائے تھے، وحشی کا قیام میر مذکور کی معیت میں تفت میں اکثر رہا کرتا تھا، اس کا بھی قیاس ہے کہ ابتدائے قیام یزد میں وحشی نے اس کو دیکھا ہوگا، اُس نے میر میران[2] کی عمارات وغیرہ کی ستائش میں ایک طویل ترکیب بند لکھا ہے، ایک قصیدہ میں تفت کا ذکر بڑی آب و تاب سے کیا ہے، جس کا مطلع یہ ہے[3] :-

تفت رشک ریاض رضوان است | کہ در وجاے میر میران است

(س) کرمان: یہ وحشی کے وطن سے ۹[4] فرسنگ کی مسافت پر واقع تھا، چونکہ تحصیل علم وغیرہ کے مواقع یہاں زیادہ رہے ہوں گے، اس لئے اس کا امکان ہے کہ اوائل عمر میں وحشی اپنے وطن سے یا یزد سے کرمان بھی گیا ہو، یہاں نعمت اللہ ولی کے خاندان کے بہت سے افراد مقیم تھے، ممکن ہے ان میں سے کسی کی سرپرستی حاصل کرنے کے خیال سے وہاں گیا ہو، بعد میں وہاں کے حکمرانوں سے خصوصی تعلقات[5] کا پتہ چلتا ہے، اس سے یہ چیز تقریباً مسلم ہو جاتی ہے کہ وحشی وہاں ضرور گیا ہوگا، کرمان کے تین حاکموں کی مدح میں اس کا کلام موجود ہے،

(۱) قاسم بیگ قاسمی: اُس کے قتل کے موقع پر وحشی نے ایک ترکیب[6] بند بطور مرثیہ کے لکھا ہے، اس میں اُس کے جانشین ولی سلطان کے لئے دعا بھی شامل ہے، تقی اوحدی[7] نے لکھا ہے کہ ولی سلطان صرف اس کا مربّی ہی نہ تھا، بلکہ اس سے استفادہ بھی کیا تھا، غالباً قاسم بیگ نے شعر و سخن کی تعلیم

[1] ہرات کا پر فضا مقام [2] ہفت اقلیم ص ۷۰، [3] دیوان ص ۷۰ ببعد [4] مقدمۂ فرہاد و شیرین حاشیہ ص ۲۲، ۲۳ [5] کلیات وحشی (بانکی پور) ورق ۹۲ الف ببعد و مقدمۂ فرہاد و شیرین ص ۲۳ حاشیہ [6] عرفات ورق ۷۰۹، ب،

وحشی سے حاصل کی ہو، قاضی سے بظاہر اس کا تعلق معلوم ہوتا ہے، مگر یہ یقین کرنا دشوار ہے کہ دونون کی عمرون[1] مین کیا تفاوت تھا،

۲- ولی سلطان حاکم کرمان افشار ایک قصیدہ اُس کی مدح مین مطبوعہ کلیات[2] مین موجود ہے، اس مین اپنے ممدوح کی بڑی پرزور مدح کی ہے، اس قصیدے مین اس کے لڑکے بکتاش بیگ کا بھی ذکر موجود ہے، بہرحال وحشی اس سے خاص طور پر متعلق تھا،

۳- بکتاش بیگ (خان) یہ کرمان کا حاکم اور ولی سلطان کا لڑکا تھا، اس کی مدح مین وحشی کی کئی نظمین موجود ہین، اس سے خصوصی تعلقات ہونے کی وجہ یہ ہوئی کہ وحشی کی آخر زندگی مین بکتاش بیگ یزد چلا آیا تھا، اور میر میران کی پوتی سے اس کی نسبت قرار پائی تھی[3]، بکتاش شاہان صفوی سے بغاوت کا خیال رکھتا تھا، چنانچہ شاہ عباس کے زمانہ مین قتل کر دیا گیا،

(د) ماهان: کرمان کے اٹھارہ بلوکون[4] مین سے ماہان بھی ایک ہے، قصبہ ماہان بہت مشہور ہے، سید نورالدین حسینی مشہور بہ نعمت اللہ ولی کا وطن یہین تھا، یہین انھون نے خانقاہ و ریاضت خانہ آراستہ کیا تھا، احمد شاہ بہمنی نے اُن کے انتقال پر ایک عالی شان مقبرہ یہان تعمیر کرایا تھا، وحشی نے میر میران کی مدح مین ایک ترکیب بند لکھا، اور اس مین ماہان جانے کی خواہش کی تھی، دو شعر ملاحظہ ہون[5]:-

شاہان طواف شاہ ماہان	بے شاہ کہ ماہ بے کم و کاست
وحشی شدہ مستعد رفتن	نعلین و دیدہ اش مہیا است

شاہ ماہان سے مراد نعمت اللہ ولی ہین، انہی کے روضہ کی زیارت کا خیال تھا، اس کے

[1] وحشی بے در پے تین حکمرانون کا مداح رہا جن مین پہلا شاگرد بتایا جاتا ہے [2] ص ۱۲۷، [3] مقدمۂ دیوان ص ۱۰۹، [4] گنج دانش ص ۵۳۰، [5] دیوان ص ۱۵۳،

علاوہ اس خاندان کے بہت سے افراد وہان بھی مقیم تھے، اُن سے بھی ملاقات کرنے کا خیال رہا ہوگا، بہرحال گمان غالب ہے کہ وہ اپنے ارادہ مین کامیاب ضرور ہوا ہوگا، اور اس سفر کو قیام یزد کے ہی زمانہ کا تصور کرنا چاہیے،

(ی) اصفهان: اگرچہ بظاہر ایسی کوئی سند نہین جس سے قیاس کیا جائے کہ وحشی اصفہان گیا ہو، مگر اس کا امکان ہے کہ کاشان سے یزد آتے جاتے وقت اصفہان سے گذرا ہو، چونکہ ان ہی ایام مین غیاث الدین[1] محمد میر میران نامی ایک بزرگ مقیم تھے، اس سے یہ شبہہ پیدا ہو سکتا ہے کہ کہین وحشی کا وہ تمام کلام جو میر میران کے نام سے سمجھا جاتا ہے، میر اصفہانی سے تو متعلق نہین ہے، لیکن ذیل کے قرینے صاف پتہ دیتے ہین کہ وحشی نے اپنے کلام مین میر میران یزدی سے خطاب کیا ہے، میر میران اصفہانی سے اس کا تعلق نہ تھا:

۱- میر میران کے مدحیہ قصیدے مین یزد کا نام کبھی کبھی آیا ہے، مثلاً پہلے قصیدہ کا عنوان یہ ہے:- (ص ۵۷)

"در مدح غیاث الدین محمد حکمران یزد"

مزید ملاحظہ ہو:-

حبذا این خطۂ یزد است یا دار الامان	یا گلستان ارم یا روضۂ دار القرار

ایک مدحیہ قصیدے کے دو شعر ملاحظہ ہون،

میر میران کہ روی خرم تست	عید احرار و قبلۂ ابرار

[1] میر غیاث الدین محمد مشہور بہ میر میران برادر شاہی تقی الدین محمد است کہ از اعظم سادات حسینیۂ اصفہان بود..... بالآخرہ بر عالی رتبۂ صدارت سربلندی یافتہ و در وفات شاہ طہماسپ (۹۸۴ھ) منصب وزارت داشتہ (عالم آرائے عباسی ج ۱ ص ۱۵۸)

گر بہ دار العبادہ تکلیف / مدتے قبل ازان کہ پایم باز ص ۱۰۱، ۳۰،

ایک قصیدے کے دو شعر یہ ہین :-

یعنی غیاث دین محمد کہ یافتہ / نظم دو کون از لقب نام او قرار مخطوطہ ۱۰۲۰۱

جاے رسیدہ کار کہ در خاک پاک یزد / حدّ نیست باد را کہ کند زور بر غبار

(۲) مدحیہ کلام مین تفت کا ذکر اکثر آیا ہے، یہان میر میران یزدی کی سکونت تھی، اصفہانی میر کا اس سے بالکل تعلق نہین،

(۳) مدحیہ قصیدے مین ماہان کا ذکر موجود ہے، یہان یزدی میر کے جد بزرگ مقیم تھے،

(۴) میر میران کے ساتھ شاہ خلیل اللہ کا بھی ذکر ہے، جو یزدی میر کے تیسرے فرزند تھے،

(۵) یزدی میر میران کی حیثیت بادشاہ سے کم نہ تھی، قصیدون مین اُن کا ذکر اسی شان سے ہے[1]، اصفہانی میر کے جاہ و جلال کا یہ عالم نہ تھا،

(۶) میر میران کی عمارتون کا ذکر وحشی نے اپنے کلام مین کیا ہے، تاریخون سے پتہ چلتا ہے کہ میر میران یزدی کو عمارتون کا بہت شوق تھا[2]،

(۷) تمام تذکرے اس بات پر متفق ہین کہ وحشی کا تعلق یزدی میر سے تھا،

(ف) قزوین و عراق: چند قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ وحشی قزوین و عراق بھی گیا ہے مثلاً

---

[1] مثلاً کہتا ہے:- در طلسم باطن او گنج درویشی نہان / در جبین ظاہرش سیماے شاہی آشکار

شاہ آن نیست کہ ملکے بسپاہی گیرد / شاہ آن ست کہ بر ملک دلے باشد شاہ

[2] مثلاً ہفت اقلیم مین ہے:-

در تکمیل اسباب سعادات و رعایت تکلفات از قسم خورش و پوشش و احداث باغات و ساختن عمارات ... عدیم المثال است ص ۱۰۱، نیز دیکھو مقدمہ فرہاد و شیرین ص ۲۱،

(۱) ایک قطعہ[1] مین ہے :-

چیزے کہ در دیار عراق آمدش بدست / آورد و در دیار جرون در زمان فروخت

(۲) مآثر کی روایت[2] کے بموجب مظفری کشمیری کے ورود قزوین کے وقت مولانا محتشم اور مولانا وحشی دونون وہان موجود تھے، اسی کی ایک روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مظفری سلطان محمد خلف شاہ طہماسپ کے عہد مین قزوین گیا تھا،

اس لئے اگر وحشی کا قزوین جانا مسلم ہو جائے، تو اس واقعہ کو ۹۸۵ھ ہجری کے بعد کا سمجھنا چاہئے؛ مگر تعجب ہے کہ اس کا کوئی کلام سلطان محمد کی مدح مین نہین پایا جاتا، بلکہ اس کے برخلاف شاہ طہماسپ صفوی سے اس کے خصوصی تعلقات کا پتہ چلتا ہے، چنانچہ اس کے متعدد قصیدے اس کی مدح مین موجود ہین، ایک ترکیب[3] بند بطور مرثیہ کے اُس کے انتقال پر لکھا، جس مین اپنی غایت عقیدت مندی کا اظہار کیا ہے، اسی طرح ایک قطعہ[4] مین اُسی کی تاریخ انتقال مندرج کی ہے، علاوہ ازین اس کی مثنوی ناظر و منظور مین بھی چند اشعار ایک ایسی ذات کی مدح مین پائے جاتے ہین، جو شاہ مذکور ہی پر پوری اترتی ہے اس لئے قوی گمان ہے کہ یہ مثنوی شاہی کے نام معنون ہو، اُن مین سے کچھ اشعار درج ذیل ہین؛

در سبب نظم کتاب و شروع بحکایت[5]

چون این گنج هنر ترتیب دادم / ز هر جوهر در و درجے نهادم

شدم جوینده زیبنده اسمے / کہ حفظ گنج را سازم طلسمے

بنام نامدارے شد گہر سنج / کہ تیغش ملک را مار ست بر گنج

---

[1] دیوان ص ۲۸۰ [2] ج سوم ص ۲۳۳ [3] کلیات وحشی بانکی پور، ورق ۹۲ (مجلد) اس کی ابتدا یون ہے:- از چہ رو خاک سیہ گردون بفرق ماہ کرد / مشعل خورشید را گردون چرا پرکاہ کرد

[4] ایضاً ورق ۱۰۱ (مجلد) [5] دیوان ص ۲۲۰،

شہ انجم سپاہ و آسمان تخت	جہاں گیر و جہاندار و جوان بخت
نہالے از گلستان پیمبر	گلے از بوستان باغِ حیدر
چو بر اورنگ دارائی نہد گام	شود آئینِ اطلس بخشش عام
بہ تختِ خسروی چون کرد آہنگ	بہ قانونِ عدالت زد چنان چنگ

(دیوان ص ۲۲۷، ۲۲۸)

باوجود اس کے کہ وحشی کے ممدوحین میں میر میران یزدی سب سے زیادہ ممتاز ہے، لیکن یہ اشعار اس کی طرف منسوب نہیں کئے جا سکتے، کیونکہ اس کی تعریف کا عام انداز یہ تھا،

تاج فرق سروری سرنامۂ فرّ و شکوہ	خاتم دستِ بزرگی مایۂ عز و وقار
ماہ ملک آرا غیاث الدین محمد آنکہ ہست	بر مراد خاطر او چرخ و انجم را مدار
ظاہرش بخشندۂ آمال ہر صاحب ہنر	باطنش دانندۂ امید ہر امیدوار
تیز ہوش و تیز بین و نرم خو و نرم رو	خوش نشان و خوش عنان و ماہوان راہوار

(دیوان ص ۵۷-۵۸)

میر میران سبب امن و امان جان جہان	مظہر فیض ازل با صدق لطف الٰہ
اے جہانے ہمہ فرمان بر و تو فرمان دہ	وے تو حاجت دہ و غیر از تو ہمہ حاجت خواہ
عقل غیر از تو ندیدہ و نہ بیند دگرے	گر بود عاری از امثال و بری از اشباہ
ذات پاکت بری از شبہہ گرا مثبت الحق	وہم ترسم کہ بصد دغدغہ افتد ناگاہ

(ایضاً ص ۵، ۶)

مثنوی کے اشعار میں اورنگ دارائی، تختِ خسروی کے قسم کے فقرے صاف پتہ دے رہے ہیں کہ یہ کسی خسرو وقت سے متعلق ہیں، چونکہ اس وقت ایران کے تخت پر شاہ طہماسپ جلوہ فگن تھا،

اس لئے اس کی طرف منسوب کرنا قرین صحت ہوگا، فرید چونکہ یہ نظم ۹۶۶ھ[۱] میں لکھی گئی ہے، جب کہ وحشی کاشان میں مقیم تھا، اور میر میران سے متعلق نہ تھا، اس لئے آخر الذکر سے اس مثنوی کا تعلق ثابت نہیں ہے،

اس کے علاوہ چند مثنویاں اور بھی شاہ مذکور سے متعلق ہیں، تین مشہور و معروف مثنویوں کے علاوہ کلیات بانکی پور[۲] میں چند ایسی مثنویاں بھی ہیں، جو میر میران اور شاہ طہماسپ سے تعلق رکھتی ہیں، مگر ریو نے (ص ۶۶۳) طہماسپ کے بجائے صرف میر میران کا نام لکھا ہے اس حصہ کی ابتدا اس شعر سے ہوتی ہے،

اے ظفر در رکاب دولتِ تو	تہنیت خوان فتح و نصرتِ تو

بظاہر یہ تعریف شاہی پر صادق آتی ہے، بانکی پور کے دوسرے دیوان[۳] میں ایک حصہ مثنویوں پر مشتمل ہے یہاں فہرست نگار نے طہماسپ وغیرہ کا نام صراحۃً لکھا ہے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان مثنویوں میں ان دونوں ممدوحوں کے علاوہ چند اور اشخاص مذکور ہیں،

شاہ طہماسپ کے ۵۴ سالہ عہدِ حکومت میں قزوین ہی پایۂ تخت تھا، اس سے قیاس ہوتا ہے کہ بادشاہ کی خدمت میں ضرور حاضر ہوا ہوگا، مگر جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے سلطان خدا بندہ سے وحشی کے تعلقات ثابت نہیں ہو سکے، البتہ شاہ اسماعیل ثانی[۴] سے صرف اس قدر تعلقات کا پتہ چلتا ہے کہ اس کی تخت نشینی پر وحشی نے ایک قطعۂ مدح لکھا تھا، جو اس کے کلیات میں ہنوز موجود ہے،

(ک) ہندوستان۔ وحشی کے سفر و قیام ہند کے بارے میں معاصر تذکرے خاموش ہیں، اسمٰعیل عبدالملک[۵] نے صراحۃً اس کے سفر ہند سے انکار کیا ہے، البتہ دو تذکروں میں اس سفر کا صاف ذکر موجود ہے، تذکرۂ خوشگو میں[۶] ہے کہ اوائل عہد اکبری میں سندھ آیا، اور اس کی تائید خلاصۃ الکلام[۷] سے ہوتی ہے، جس میں یہ بھی ہے کہ ایک مدت تک سندھ میں قیام کیا، اور حاکم وقت سے متعلق رہا، اس کے بعد وطن

---

[۱] ہمہ ابیات پر فکر سے تاریخ نکلتی ہے [۲] ج ۲ ص ۱، ابجد [۳] جلد دوم ص ۰۰، ابجد [۴] کلیات وحشی ورق ۱۱، ابجد [۵] مقدمۂ دیوان ص ۰ [۶] حواشی میخانہ ص ۱۸۱ [۷] ورق ۲۴۴،

ٹوٹ گیا، اس کی تفصیل سے سردست ہم قاصر ہیں، البتہ ایک قطعہ[۱] کے چند شعر یہ ہیں،

هندوے زنگے کہ بردن آید از جهاز | از بہر عشر حاصل ہندوستان فروخت
آگہ نہ کہ از پے وجہ معاش خویش | ہر چیز داشت وحشی بے خانمان فروخت
چیزے کہ در دیار عراق آمدش بدست | آورد دور دیا بجرون درزمان فروخت

پہلے شعر میں تو ہندوستان کی دولت بطور ضرب المثل کے بیان ہوئی ہے، ہندو کے معنی ہندوستان کے رہنے والے کے نہیں بلکہ غلام کے ہیں، دوسرے اور تیسرے شعر میں اپنی پریشان حالی کا ذکر ہے، بظاہر جرون[۲] پہنچ کر اس کی تباہ حالی یوں ہوئی تھی کہ دسویں صدی ہجری میں ہندوستان آنے والے اس جزیرہ اور بندرگاہ سے سفر کرتے تھے، جو سندھ سے بہت قریب تھا، ممکن ہے کہ خوشگو اور صاحب خلاصۃ الکلام کے ماخذ یہی اشعار ہوں لیکن اس حالت میں ایک قباحت یہ ہوگی کہ اس واقعہ کی تاریخ ۹۸۵ھ کے بعد ہی ہوگی، کیونکہ جیسا اوپر ذکر ہوچکا ہے مآثر کی روایت کی بنا پر وحشی محمد خدابندہ کے عہد میں وارد قزوین ہوا ہے، اس لئے اگر وحشی کا ورود ہند تسلیم کرلیا جائے، تو اس سنہ کے بعد ہی ہوسکتا ہے، اس میں بڑا سقم یہ ہوگا کہ پھر اس کے ورود کا سنہ ۹۸۶ھ، ۹۸۷ھ ہجری اوائل دولت اکبری نہیں قرار پاسکتے، کیونکہ یہ سنین اکبری عہد کے تیئیسویں اور چوبیسویں سال کے مطابق ہیں، یہ بھی واضح کردینے کی ضرورت ہے کہ اکبر کا اس عہد میں سندھ سے کسی قسم کا تعلق بھی نہیں تھا، کیونکہ ۹۹۹ھ ہجری میں سندھ کی باقاعدہ فتح شروع ہوئی، اور ۱۰۰۱ھ ہجری میں وہ سلطنت اکبری کا صوبہ قرار پایا، اس لئے خوشگو اور صاحب خلاصۃ الکلام کا

سے دیوان ص [illegible]

[۱] تعجب ہے کہ رشید یاسمی اس قیام کا یقین نہ کرسکے، (مقدمۂ شیرین و فرہاد ص ۱۵) لیکن مقدمہ دیوان ص میں اسماعیل نے اس کو ہرمز بتایا ہے: "مقصود از جرون، بندر جرون است کہ الحال جزیرۂ ہرمز نامیدہ میشود" مگر یہ بیان غلط ہے کیونکہ گنج دانش کی روایت یہ ہے کہ (ص ۹۳) "ہرمز در خلیج فارس محاذی بندر عباس کہ قبل از شاہ بزرگ آن، اینجا جرون می نامیدند و فرنگیان آن را گمران (یا گمران) می نویسند، واقع است" نیز دیکھو ص ۹۵،

صوبۂ سندھ کا ذکر، اور اکبر کی نسبت سے کرنا بہت سی غلط فہمی پیدا کرسکتا ہے،

اگر ۹۸۵ھ میں وحشی کا قیام سندھ تسلیم بھی کرلیا جائے، تو بڑی دشواری یہ ہوگی کہ ۹۹۰ھ میں اس کی واپسی یزد کیونکر ہوسکے گی، اور ان تاریخوں میں اس کی یزد کی موجودگی باقاعدہ ثابت ہی ہے، اس تفصیل سے یہ بات صاف ہوجاتی ہے کہ یا تو وحشی کا ورود ہند ہی غلط ہے، اور اگر صحیح ہے تو اس کے سفر قزوین سے پہلے کا ہے، اور اوپر کے اشعار سے اس کا ثبوت فراہم نہیں کیا جاسکتا،

وفات | وحشی نے اپنی زندگی کے آخری ایام یزد میں گذارے، بقول صاحب خلاصۃ الاشعار اس وقت وہ جوان[۱] تھا، اسی بنا پر عیش و عشرت اس کا شعار ہوگیا تھا، ایک روز عالم مستی میں ایک غزل لکھی، جس کے بعض اشعار دنیا سے نفرت اور بیزاری کی تعلیم دیتے ہیں، ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جن سے شاعر کی موت سے قربت کا اظہار ہوتا ہے، غزل کا مطلع یہ ہے،[۲]

ما اجنبی ز قاعدۂ کار عالمیم | بیہودہ گرد کوچہ و بازار عالمیم

(بقیہ حاشیہ ص ۱۱۲) "بندر گمرون را موسوم بہ بندر عباس نمودہ اند" ص ۱۵۵ پر ہے، جرون در لا نیے بود نزدیک بندر ہرمز اذ بناہاے اردشیر بابکان، در اصل گردن بودہ، معرب شدہ، اکنون جرونیات گویند" عالم آرائے ص ۷۰۹ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ شاہ عباس نے اس کا نام تبدیل کردیا تھا، ملاحظہ ہو گمرون کہ فرنگیہ پرتگیز بر ساحل دریا آباد کردہ بودند و بعد آنکہ (۱۰۳۱ھ) بہ تصرف شاہ عباس اول در آمد، بہ بندر عباسی موسوم شدہ، "مگر پروفیسر شفیع بظاہر جرون اور گمرون کو ایک نہیں سمجھتے، وہ جرون کو ہرمز بتاتے ہیں،" جزیرہ ایست در دریا قریب بہ ساحل فارس" اسی طرح بندر ابراہیمی کی بابت لکھتے ہیں، موضعے بودہ باشد بر کنار دریا قریب بہ ہرمز قدیم" میخانہ ص ۵۰۰ ح نمبر ۲ گنج دانش ص ۹ میں ہے: "ہرمز بندر عباس کے مقابل میں ہے، اور آخر خلیج میں ہے اور با سواحل کرمان چندان مسافتے ندارد" خشکی سے تقریباً دو فرسخ پر ہے، شہر ہرمز کا شمار بہترین شہروں میں ہوتا ہے۔ [۱] ذیل حالات وحشی [۲] پوری غزل دیوان میں موجود ہے، ص ۲۵۳

کہتے ہین اس کے بعد وحشی اپنے سابق طریقے کثرت مے نوشی مین مشغول ہوگیا، شراب وکباب دن رات کا مشغلہ تھا، اسی درمیان مین ایک قسم کی شراب اس کو بے حد پسند آئی، چنانچہ تین شبانہ روز اُسکو پیتا رہا، یہان تک کہ کھانا بالکل نہ کھایا، اس سے مزاج مین تغیر پیدا ہوا، اور تے ہوگئی، صبح سے شام تک استفراغ ہوتا رہا، لوگون نے خمار پر محمول کیا، ایک دو گلاس آب لیمون برف مین ملا کر دیا گیا، جس سے حرارت مین کسی قدر کمی ہوئی، مگر مرض اثر کرچکا تھا، قوائے دماغی مضمحل ہوگئے، اور اسی روز انتقال کرگیا، یہ واقعہ ۹۹۱ سنہ ہجری مین رونما ہوا، (تاریخ لفظون مین درج ہے) اُس کے سرپرست میر حیدر معمائی نے یہ تاریخی قطعہ لکھ کر روانہ کیا :-

وحشی کہ شد نظامی ایام نام او
کش قدر مثنوی بہ نظامی قدر فتاد

گردید ناظم سخنش در جہاں لقب
کاندر فنون نظم سخن را رواج داد

ناگہ زپا فتاد و شد از فن و دانش
گوئی میان نظم سخن رفع اتحاد

گردون برسم تعمیہ می خواہم ببراد
بر صفحۂ زمانہ در تاریخ را نہاد

گفتیم دور شد ز سخن ناظم سخن
گفتند اہل نظم نظامی ز پا فتاد

اور دوسری تاریخ بھی اس طرح نظم کی :-

در مثنوی ذوق دل آرا وحشی
باخاتمہ نارسیدہ اما وحشی

(در ہا فشاند)
(دراں در ہا ماند)

دوران پئے مثنوی بے خاتمہ اش
گفتم کہ مثنوی ملا وحشی

(تاریخ جوخواست)
سنہ ۹۹۱

مولانا رفیع الدین حیدر اس وقت کاشان مین تھے، اور وہین سے یہ قطعات یزد روانہ کئے گئے ہین، چونکہ خلاصۃ الاشعار کا مؤلف بھی اس سنہ مین کاشان ہی مین تھا، اس لئے اس کی روایت حد درجہ

معتبر ہے، گویا اس طرح تین قطعے ایسے ہین جن سے وحشی کا سنہ وفات معلوم ہوتا ہے، چنانچہ خود مؤلف مذکور نے عربی لفظون مین الگ سال وفات بھی درج کیا ہے، مگر تعجب ہے کہ اسپرنگر نے[۱] خلاصۃ الاشعار کے حوالہ سے انتقال کی دو تاریخین یعنی ۹۹۱ سنہ ہجری اور ۹۹۲ سنہ ہجری درج کی ہین، چنانچہ ریو وغیرہ نے اسپرنگر ہی کے حوالہ سے وحشی کے انتقال کی دو تاریخین بتائے ہین، مگر اوپر کی صراحت سے صاف طور پر پتہ چلتا ہے کہ اسپرنگر کا بیان سقم سے خالی نہین،

میخانہ کی صراحت[۲] کے بموجب قطعۂ ذیل مین ملا قطب شدہ بافت نے وحشی کا سنہ انتقال درج کیا ہے؛

وحشی آن داستان سرائے معنوی
گشتہ خاموش و بہم پیوستہ لب

از غم لب بستن وحشی کشاد
در پئے افسوس گفتن تشنہ لب

سال تاریخش چو جستم از خرد
در جواب من کشود آہستہ لب

دست بر سر اے دریغا گفت و گفت
بلبل گلزار معنی بستہ لب

نقی اصفہانی نے عرفات مین قطعۂ ذیل لکھا ہے،

چو سرمستانہ وحشی بادہ نوشید از خم وحدت
روان شد روح پاک او بمستی سوئے علیین

من از پیر مغان تاریخ فوت او طلب کردم
بگفتا ہست تاریخ وفاتش وحشی مسکین

تشریح بالا سے یہ بات طے ہوجاتی ہے کہ وحشی کے سنہ انتقال کے بارے مین کوئی خاص اختلاف نہین، البتہ سبب انتقال کے متعلق اختلافات ہین، بعض تذکرون مین بربنائے شہرت اس بات کا ذکر ہے کہ وحشی ایک محبوب کے ہاتھ مقتول ہوا، مگر صاحب خلاصۃ الکلام[۳] نے اس کی صحت سے قطعی انکار کیا ہے، صحیح بیان وہی ہے جو خلاصۃ الاشعار مین پایا جاتا ہے، جس کو مؤلف مذکور نے بھی بالاختصار دہرایا ہے، صاحب عرفات[۴] نے بھی لکھا ہے، کہ اس کی وفات تند عرق پینے کی وجہ سے رونما ہوگئی، صاحب[۵] آتشکدہ نے

[۱] فہرست اودھ ص ۲۵ [۲] ص ۲۵۴ [۳] ورق ۹۰، [۴] ورق ۴۴۴ [۵] ورق ۹۰، ضمن حالات وحشی،

بھی یہی لکھا ہے:-

"در مجلس بادہ پا بجا لم بقا نہادہ"

بزمان بختیاری کے بھی بیان سے اسی قول کی تائید ہوتی ہے لیکن برخلاف ان تمام بیانات کے رشید باسمی نے وحشی کے انتقال کے بارہ میں "آخرین روز وحشی" کے عنوان[1] سے ذیل کی معلومات بہم پہنچائی ہے،

"وحشی اپنے محبوب کی جدائی میں مرض الموت میں گرفتار ہوا، جب اس محبوب کو اس بات کی اطلاع ہوئی، تو وہ بے حد متاثر ہوا، اور اس کی عیادت کو آیا، وحشی نے انتہائے شوق و حسرت میں اپنا سر اس کے قدم پر رکھتے ہوئے یہ شعر پڑھا[2]:

بہ بالین آمدی در وقت مردن ناتوانے را ۔۔۔ از این رحمت بمردن ساختی مائل جہانے را

اس بناپر اس کے دوست نے ازراہ شفقت اس سے عہد وفا پھر سے باندھا، اس پر وحشی نے یہ شعر پڑھا،

گر ز آزردن[3] من بود غرض مردن من ۔۔۔ مردم از رشک از پے آزردن من،

اس کے بعد وحشی نے مجلس عیش و نشاط برپا کرنے کا حکم دیا اور کہا،

مے[4] در قدح کنید حریفان و گل بہ جیب ۔۔۔ رسم عزائے ما نہ گریبان دریدن است

جب سب لوگ شراب کے نشہ میں سرمست ہوئے تو وحشی وہاں سے غائب ہوگیا بڑی جستجو کے بعد اس کو ایک درخت کے نیچے خواب ابدی میں پایا گیا، اور ایک کاغذ کے ٹکڑے پر حسب ذیل غزل ملی[5]:-

کردیم نامزد تجبہ تا بود و بود خویش ۔۔۔ گشتیم ہیچ کارہ بہ ملک وجود خویش

۱؎ مقدمہ ص ۱۵ و ۱۶ ۲؎ و ۳؎ و ۴؎ یہ اشعار مطبوعہ دیوان سے خارج ہیں ۵؎ یہ غزل مطبوعہ دیوان سے خارج ہے۔

بظاہر یہ روایت اس بیان سے کہ وحشی اپنے محبوب کے ہاتھوں مقتول ہوا، بہت قریب[1] ہے، مگر اتنی ہی صحت سے دور ہے کیونکہ اس میں سرتاپا افسانوی رنگ غالب ہے، اس روایت کا ماخذ ایک کہنہ بیاض ہے، جو رشید کے ایک دوست کے پاس تھی، اس کی تصدیق و صحت اس بناپر فرض کرلی گئی کہ مذکورہ بالا غزل وحشی کے نو تعمیر مقبرہ کے سنگ مزار پر کندہ ہے، مگر محض ایک قدیم بیاض کی روایت سے تمام معاصرین سے اختلاف کرنا غلط ہے، پھر سنگ مزار کی غزل کے یکساں ہونے سے اس روایت کی صحت کا فریہ یقین ہوجانا بھی تعجب خیز ہے، واقعہ تو یہی ہے کہ غزل مذکور وحشی کی آخری غزل ہے، اور اس کے سنگ مزار پر ابتدائے زمانہ سے کندہ ہے، جیسا کہ معاصر تذکرہ نویس فخر الزمانی[2] نے لکھا ہے:-

"بہ تحقیق پیوستہ کہ این غزل در حالت نزع گفتہ، الحال بر لوح مزار او کہ از سنگ رخام است نقش کردہ اند"

تقی اوحدی[3] نے لکھا ہے کہ وحشی محلہ سر برج یزد میں جو حصار قلعہ کے پاس ہے مدفون ہوا، اس کی تائید میخانہ[4] سے ہوتی ہے، آخر الذکر میں یہ بھی ہے کہ محلہ مذکور زیارت شاہزادہ فاضل کے برابر ہے، ایک روایت یہ بھی ہے کہ وحشی کا قیام اس محلہ میں تھا، اس سے میخانہ کے قول کی تائید ہوجاتی ہے، مگر امتداد زمانہ نے اس کے مزار کا نشان مٹا دیا، خوش قسمتی سے وہ سنگ مزار جس پر غزل مذکور کندہ تھی، زمانہ کی دست برد سے محفوظ رہ گیا، کہا جاتا ہے کہ[5] وہ پتھر کچھ دنوں تک ایک کنوئیں پر رکھا رہا، پھر ایک عرصہ تک اس کو ایک گلخن کے گوشہ میں جگہ ملی، بقول رشید باسمی:

۱؎ حالانکہ رشید نے اس سے انکار کیا ہے (مقدمہ ص ۱۲-۱۳) ریاض الشعراء میں یہی روایت ہے، مگر حالت نزع کے اشعار یہ ہیں:-

زشبہائے دگر دارم تب غم بیشتر امشب ۔۔۔ وصیت می کنم باشید از ما باخبر امشب

نگر در ماتشان مرگ ظاہر شد کہ می بینم ۔۔۔ رفیقان را نہانی آستین بر چشم تر امشب

یہ پوری غزل دیوان (ص ۷۰، ۷۱) پر پائی جاتی ہے ۲؎ میخانہ ص ۲۱۵ ۳؎ عرفات ورق ۷۰۹ ب ۴؎ میخانہ ص ۲۱۵ ۵؎ مقدمہ فرہاد و شیرین ص ۴۶-۴۷)

"گویا سنگ مزور از بہشتے بہ دوزخے افتادہ"

آقائے امیر حسن خان ایل خان بختیاری نے حکومت یزد کے دوران میں ۱۳۲۰ شمسی ہجری میں عمارت "تلگراف خانہ" کے احاطہ میں وحشی کا ایک جدید مقبرہ تعمیر کرایا جس میں وہ سنگِ مزار رکھ دیا گیا، گویا اس طرح :-

"بعد ازین عذا بہا سنگ مزار دگونی، از گناہ پاک شدہ منظور نظر صاحب دلے گردید کہ او را بہ مقام خود رسانید"

کلیات وحشی کا کلیات تمام اصناف سخن پر مشتمل ہے، وحشی ہی کے زمانہ میں تقی اوحدی[1] نے نو ہزار اشعار جمع کئے تھے، جو قصائد، مجادلات، ترجیعات، ترکیبات، از مدائح و اہاجی، مقطعات، رباعیات، مثنویات از قسم ناظر و منظور و خلد برین و خسرو شیرین پر مشتمل تھے، عبد النبی صاحب[2] میخانہ کے زیر مطالعہ جو کلیات تھا، اس میں دیوان کے علاوہ دو مثنویاں یعنی خلد برین اور خسرو شیرین تھیں، اور وہ تقریباً ۴½ ہزار پر مشتمل تھا، اس کا پورا کلیات جو ان دونوں کلیات سے بعض اعتبار سے مختصر ہے، دو مرتبہ شائع ہوا، پہلی اور دوسری اشاعت میں صرف یہ فرق ہے کہ پہلے میں عنوانات عام طور پر مذکور نہیں، اور آخری نظم مثنوی ناظر و منظور حاشیہ پر درج ہے لیکن دوسرے کلیات میں عنوانات بالالتزام قائم ہیں، اور آخری نظم ناظر و منظور ہے لیکن دونوں کے اشعار کی تعداد، ترتیب وغیرہ میں سرمو فرق نہیں، بانکی پور کے کتب خانہ میں[3] کلیات کے دو نسخے ہیں، پہلا نسخہ کامل ہے مگر اس میں ناظر و منظور شامل نہیں، دوسرا مختصر ہے، مگر اس میں مثنوی بھی شامل ہے، پہلے نسخہ میں وہ مثنویات بھی شامل ہیں، جو میر میران یزدی، شاہ طہماسپ صفوی وغیرہ کی مدح میں لکھی گئیں، جن میں سے چند دوسرے کلیات میں بھی پائی جاتی ہیں، مگر بظاہر تقی اوحدی کے مرتب کئے ہوئے کلیات میں شامل نہ تھیں، ذیل میں مطبوعہ کلیات کے اجزا پیش کئے جاتے ہیں،

(۱) قصائد ص ۱ تا ۱۴۸، کل اہم قصیدے اس تفصیل کے ساتھ: تعداد ابیات تقریباً ۱۵۱۷

---

[1] عرفات ورق ۵۰۰ ب [2] میخانہ ص ۱۵۱ [3] فہرست بانکی پور جلد دوم ص ۱۰۰،

۱	نعتیہ	دو قصیدے،	۱ - ۲
۲	منقبت علیؓ،	قصیدے	۳ تا ۹
۳	امام ثامن	” ”	۱۰
۴	امام دوازدہ	۱ ”	۱۱
۵	طہماسپ کی مدح	۲	۱۲-۱۳
۶	غیاث الدین میر میران	۱۹	

دو قصیدوں میں شاہ خلیل اللہ کی بھی مدح ہے، اُن کے درمیان (نمبر سولھواں اور ۲۶ واں) دو ترکیب بند ہیں، جن کو غلطی سے ترجیع بند قرار دیا گیا ہو، پہلے میں شاہ خلیل اور میر میران کی مدح کے ساتھ اُن کے باغات اور عمارات کا بھی بیان ہے اور دوسرے میں میر کی مدح کے ساتھ ماہان جانے کی خواہش کا اظہار ہے

۱۴ تا ۱۵ - ۱۷ تا ۲۵، ۲۷ تا ۳۳ ، ۳۸،

۷	ولی سلطان حاکم کرمان	۱	۳۴
۸	بکتاش خان	” ۱	۳۵
۹	عبد اللہ خان اعتماد الدولہ حاکم کاشان	۱	۳۷

۳۶ ویں اور آخری تین چھوٹے چھوٹے قصیدوں کی بابت معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کن سے متعلق ہیں :-

(۲) ترجیع بند	مثمن، مسدس، نظم مذمت ص ۱۴۹ - ۱۶۵		تعداد ابیات	۱۹۹
(۳) غزلیات	ص ۱۶۶ تا ۲۸۲		”	۱۶۱۲
(۴) مقطعات	ص ۲۸۳ تا ۲۸۹		”	۸۵
(۵) رباعیات	ص ۲۹۰ تا ۲۹۵	۲۷	”	۵۴
(۶) مثنویات	(۱) خلد برین ص ۲۹۶ تا ۳۳۷		”	۵۸۸

اخلاقی مثنوی ہے، صاحب میخانہ کے نزدیک[1] یہ مثنوی ناتمام رہ گئی تھی، مگر یہ خیال غلط ہے کیونکہ خود مثنوی کے آخری ابیات سے ظاہر ہے کہ شاعر نے اس کو مکمل کر دیا تھا، مثلاً آخری شعر ملاحظہ ہو،

وحشی ازین گفتہ فرو بند لب　　　روز نہان است و عیان ست شب

(ب) فرہاد و شیرین ص ۳۳۸ - ۴۱۱ .... ۱۰۳۵

تمام تذکرے متفق ہین کہ یہ وحشی کی آخر زندگی کی نظم ہے، اور اسی بنا پر ناتمام رہ گئی ہے، مگر صاحب خلاصۃ الاشعار[2] اس کو وحشی کے قیام کاشان کی یادگار قرار دیتا ہے، مگر اس کا قول اس لحاظ سے زیادہ درخورِ اعتنا نہین کہ آخر مین خود اسی تذکرہ مین ایک قطعہ ہے جس مین "مثنوی ناتمام" کی تاریخ تالیف درج ہے، اس قطعہ مین مثنوی کے لئے باخاتمہ نارسیدہ، مثنوی بے خاتمہ جیسے فقرے صاف پتہ دے رہے ہین، کہ اس قطعہ کا تعلق شیرین و فرہاد ہی سے ہے، مثنوی ملا وحشی سے سال تالیف یعنی ۹۹۱ھ ہجری نکلتا ہے[3]، اس سے صاف ظاہر ہے کہ انتقال سے ذرا سا قبل یہ مثنوی لکھی گئی ہے، اس ناتمام مثنوی کو وصال شیرازی[4] نے ۱۲۶۵ھ مین مکمل کیا،

(س) ناظر و منظور، ص ۴۱۲ - ۵۱۴ .... ۱۴۴۰ ابیات

یہ مثنوی ۹۶۶ھ ہجری مین مکمل ہوئی ایک قطعہ کے ضمن مین یہ تاریخی[5] مادہ موجود ہے،

سزد کہ در پئے تاریخ در دعا گویم　　　(دہی نظام در درج در س درج دول)

اگرچہ یہ تاریخ چندان دلپذیر نہین لیکن اس کی اہمیت اس لئے ہے کہ حروفِ منقوطہ یا غیر منقوطہ و حروفِ متصلہ یا منفصلہ ہر ایک سے سنہ تصنیف یعنی ۹۶۶ھ ہجری نکلتے ہین، اسی طرح ذیل کے اشعار[6] مین دو تاریخین ہیں،

---

[1] میخانہ ص ۲۰۰ [2] ذیل حالات وحشی [3] مقدمۂ فرہاد و شیرین، ص ۴۳ - ۴۴ [4] فہرست بانکی پور جلد ۲ ص ۱۰۸ [5] دیوان وغیرہ،

کسے کین نظم دور اندیشہ خواہد　　　اگر تاریخ تصنیفش بداند
شمار و تیغ نوبت سی تضعیف　　　کہ باشش باشدش تاریخ تصنیف
نداند گر بدین قانون کہ شد ذکر　　　بجوید از "جمہ ابیات پر فکر"

اس طرح کلیات کے کل اشعار کی تعداد تقریباً ۹۵۲۳ ہوتی ہے، مگر اس مین نہ مناجات ہین، نہ قطعات تاریخی، نہ ترکیب بند ہین، اور نہ مراثی، اور نہ مدحیہ مثنویان حسن اتفاق سے یہ سب اجزاء بانکی پور کے نسخہ مین موجود ہین، اس لئے حمید اسمٰعیل کا یہ قول کہ کل کلام اب ۹ ہزار اشعار تک نہین پہنچتا صحت سے دور ہے، بانکی پور کے نسخہ مین ۹ ہزار سے زیادہ اشعار ہین، اور وہین کے دوسرے کلیات مین ایک مختصر سی مثنوی الحمار نامہ ہے، جس کا ذکر اور کہین نہین ملتا،

"یہ زبان کے ماہر!"

از

از نواب جعفر علی خان اثر لکھنوی

دسمبر ۵۱ء کے معارف مین پروفیسر شوکت سبزواری صاحب کا مضمون "لکھنؤ کی زبان" کے عنوان سے شائع ہوا، جس مین لکھنوی اردو کی منقبت کی گئی تھی، اور اس کو اودھی زبان سے متاثر بتایا گیا تھا، مین نے اس کا جواب مارچ ۵۲ء کے معارف مین دیا، پروفیسر صاحب کا جواب الجواب مئی اور جون کے دو نمبرون مین ہے، مئی ۵۲ء کے معارف مین فرماتے ہین کہ بحث خالص علمی اور لسانی تھی، ..... اس مین دلی دوستی اور لکھنؤ دشمنی کا کوئی شائبہ نہ تھا"،

اب اُن کے چند ابتدائی اقتباسات ملاحظہ فرمایئے،

۱۔ لکھنؤ اردو کا وطن نہین، نہ وہ اُس کا مولد ہی ہے، اور نہ منشا ہی،

۲۔ یہان (لکھنؤ) کی زبان اور بولی ٹھولی اردو نہ تھی، پوربی بولتے تھے،

۳۔ دربار مین اردو بولنے والون کے گھربار کی زبان پوربیا تھی،

۴۔ لکھنؤ کی زبان مین الفاظ کی تذکیر و تانیث کا کوئی معیار نہین،

۵۔ لکھنؤ والے ویسے بھی لفظون کی تذکیر و تانیث کا مذاق نہین رکھتے، وہ اس کا صحیح احساس کر ہی نہین سکتے،

۶۔ لفظون کے ترک و اختیار مین لکھنؤ والون سے لغزش ہوتی ہے،

۷۔ اردو دلی کی زبان ہے، دلی والے ہی دراصل اہل زبان ہین، جس طرح وہ بولتے یا لکھتے ہین، وہ سند ہے،

مین ان غلط الزامات یا تغلیطات کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتا ہون، اس کی حقیقت ظاہر کرتا ہون تو جاہل محض ٹھہرایا جاتا ہون، اور میرا یون مضحکہ اڑایا جاتا ہے؛

"تحقیق کا میدان اور خالص علمی اور لسانیاتی بحث، دخل دین تو کیونکر اور کہین تو کیا، آخر لکھنؤ والون کی طرح چلتے فقرون سے کام چلایا....."

اور نہ معلوم کیا کیا، اس کے بعد اسی مئی کے معارف مین پروفیسر صاحب نے اپنے زعم مین میری تحریر کی غلطیان دکھائی ہین، اور اس جملے کو مجھ سے منسوب کیا ہے "پروفیسر صاحب کو بغلین جھانکنے کے واسطے نہ بن پڑتی" ظاہر ہے کہ یہ غلط الکاتب ہے "سوا" کو "واسطے" لکھ دیا، اس پر طرہ پروفیسر صاحب کی تحریف، اس نے "بغلین جھانکنے کے واسطے کچھ نہ بن پڑے" تحریر کیا تھا، (ملاحظہ ہو معارف بابت مارچ ۵۲ء صفحہ ۱۹۹) پروفیسر صاحب نے جملے سے "کچھ" حذف کرنے کے بعد اعتراض وارد کیا، (معارف مئی ۵۲ء ص ۳۵۰)

پھر میرا یہ جملہ "دہلی کے خاندان امنڈ کر لکھنؤ مین آباد ہو گئے" نقل کرکے فرماتے ہین:-

"کیا یہی وہ ادائین ہین، جو لکھنؤ نے اردو کو سکھائین، اگر یہ ادائین ہین تو نشتر غمزے کیا ہین ...... کہین یہ مقصد تو نہین کہ دہلی کے خاندان امنڈ کر لکھنؤ چلے آئے اور یہان بس گئے"؛

مجھے تو پروفیسر صاحب کی مجوزہ اصلاح مین تطویل لاطائل اور پست فقرے بازی کے سوا کوئی خوبی نظر نہین آتی، پھر یہ جملہ کہ

"پروفیسر صاحب اردو کو اودھی سے متاثر کرتے ہین"

میرے سر تھوپ کر فرماتے ہین کہ اسلوب بیان کے ڈھیلے پن کی شاید اس سے بڑھکر مثال

پیش نہ کی جاسکے، "متاثر کرتے ہیں" کتابت کی بدیہی غلطی ہے، اور اس کا بین ثبوت یہ ہے کہ گو ص ۱۹۰ پر کاتب نے متاثر کرتے ہیں" لکھا مگر ص ۵۰ا پر صحیح جملہ متاثر کہتے ہیں، صاف صاف درج ہے، (ملاحظہ ہو مارچ ۱۹۳۸ء کا معارف)

شاید ہی کسی معترض کی بددیانتی کی اس سے بدتر مثال پیش کی جاسکے، پھر ایک ہی جملہ میں دو مرتبہ "کو" آنے پر ناک بھون چڑھاتے، اور فرماتے ہیں کہ کوکو کیا ؟ جملہ یہ ہے :-

"پھر لکھنو کی اردو کو اودھی کا پروردہ ثابت کرنے کو فرماتے ہیں"،

اُسے اصلاح سے یون مزین کیا گیا ہے،

"لکھنو ہی اردو اودھی کی پروردہ ہے، اسے اس طرح ثابت کرتے ہین"،

شاید اسی وجہ سے پروفیسر صاحب نے "کو" کی تکرار بچانے کو اپنے ایک جملہ میں ایک "کو" کو "یا" سے بدل دیا ہے :-

"وہ ان ہی کو انہین اور ہم ہی یا ہمین کہتے ہین"، (معارف بابت دسمبر ۱۹۳۵ء ص ۴۵۱)

ظاہر ہے کہ یا کی جگہ کو چاہیے، اول تو ایک ہی جملے مین لفظ "کو" کا دو مرتبہ آنا، کوئی گنا ہ نہین، دوم پروفیسر صاحب کی اصلاح سے میرا مفہوم بدل جاتا ہے، انھون نے اودھی ثابت کرنے کی سعی کو ثابت کرنے مین بدل دیا،

میرا جملہ تھا :-

"اس مغربی ہندی مین پنجابی بھی سمو گئی ہے"،

اعتراض یہ ہے کہ مین نے سمونا لازم استعمال کیا، یہ متعدی ہے،

پروفیسر صاحب نے اپنی تائید مین مثالین نور اللغات سے پیش کی ہین، اور یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ سمو گیا اور سمو دیا، دونون طرح صحیح ہے، کاش وہ یہ بھی دیکھ لیتے کہ سمویا ہوا کے ایک معنی دو غلا یا مخلوط النسل

کے بھی ہین، جب ہندی مین پنجابی سمو گئی تو زبان مخلوط ہو گئی، میرا یہی منشا تھا، نیز کتنے ہی متعدی مصادر ہین، جو بطور لازم بھی مستعمل ہین، کیا انھون نے کبھی نہین سُنا کہ "پانی سمو گیا غسل کر لو (یا نہالو) نہین تو ٹھنڈا ہو جائے گا"،

ایک اعتراض لفظ "پچھلا" کے استعمال پر ہے، فرماتے ہین "یہ دم چھلا" یا "پن چھلا" ہونا چاہیے "پچھلا" اردو مین پہلے (یعنی دُم چھلا ؟ اثر) کی ضد ہے،

پروفیسر صاحب بھی نور اللغات کو مانتے ہین، اُس کی عبارت ملاحظہ ہو :-

"پچھلا (ہ - سنسکرت مین پُچھلا تھا) مذکر، دم گزا، دیکھو پچھالا،

پچھالا (ہ - پونچھ - دم) صفت ۱ ہر وقت ساتھ رہنے والا، وہ بچہ جو ہر وقت مان کے پیچھے پیچھے پھرے، ۲ کنکوے کی دم ۳ نوکر - خدمتگار، مصاحب ۴ (مزاحاً) خوشامدی، (سودا)

جس کو جانے ہے کچھ ٹکون والا | اُس کے پیچھے ہے آپ پچھالا

اب زبانون پر "پچھلا" ہے"،

پروفیسر صاحب کے ارشادات پر لغت کے مندرجات کی روشنی مین غور کیجئے، اور اُن کے "پن چھلا" کو "پن چھلا" کہنے پر انگشت بدندان ہو جیئے، سودا دہلوی نے بھی "پن چھلا" نہین، بلکہ "پن چھلا" نظم کیا ہے "فیلن" اور "مینیس" مین بھی "پچھلا" ہے، نہ کہ "پن چھلا"، صاحب نور اللغات نے سودا کا شعر فیلن ہی سے نقل کیا ہے،

پھر فرماتے ہین کہ اثر نے دو محاورے غلط استعمال کئے ہین :-

"آنکھون مین دھول جھونکنا غلط، خاک جھونکنا صحیح، کس برتے پر تتا پانی" اہل زبان نہین بولتے، اس برتے پر تتا پانی کہتے ہین"،

مین مانتا ہون کہ لغت کی کتابون مین دھول جھونکنا درج نہین ہے "خاک جھونکنا" اور "خاک ڈالنا" ہے، ہم نے جھونکنے کیساتھ خاک کا مترادف دھول لا کر مزید تنوع پیدا کر دیا، ہم مین یہ عام روزمرہ ہے "آنکھون مین دھول جھونک دو"،

کملی ڈال کے لوٹ لو" اس مین دھول کی جگہ خاک پڑھ کر دیکھئے، کہ آپ کا ذوقِ سماعت کیا فیصلہ کرتا ہے؟
مگر جن کی زبان دانی لغت بینی تک محدود ہے، وہ ان لطائف کو خاک سمجھین گے،

مجھے بڑی مسرت ہوئی کہ پروفیسر صاحب نے "کس برتے پر تتا پانی" پر اعتراض کیا، کیونکہ اپنے معاصر
غالب دہلوی کو جھٹلایا، اُن کی عبارت ہی،

"او میان سید زادہ آزادہ دلی کے عاشق دلدادہ ڈھے ہوئے اردو بازار کے رہنے والے
حسد سے لکھنؤ کو بُرا کہنے والے نہ دل مین مہر و آزرم نہ آنکھ مین حیا د شرم نظام الدین ممنون کہان،
ذوق کہان مومن خان کہان، ایک آزردہ سو خاموش، دوسرا غالب وہ خود بیخود و مدہوش نہ سخنوری
ہی نہ سخن دانی، کس برتے پر تتا پانی، ہاے دلی واے دلی، بھاڑ مین جاے دلی،...." (عود ہندی
خط نمبر ۵ میر مہدی کے نام)

سند مین شاد کا شعر بھی نور اللغات سے پیش کیا جا سکتا ہے :-

بوسے کے بھی شرمندہ نہین دختر رز کے — کس برتے پرائے شیخ یہ تتا پانی

مین نے ایک جگہ لکھا کہ "یہ عامیانہ زبان ہے" پروفیسر صاحب مجھے سمجھاتے ہین کہ عوام کے ہان
عامی عام کی طرف منسوب ہے، اور عوامی کا مترادف ہے، خواص اور اہلِ علم کی زبان مین عامی عالم
کی ضد ہے، اور جاہل کے معنی مین ہے اور عمی (اندھاپن اور جہالت) سے اسم فاعل ہے،
پروفیسر صاحب کا جملہ "تجارتیسانہ ٹھاٹ باٹ ہے" مین نے عرض کیا تھا کہ یہ عامیانہ زبان
ہے ہم ٹھاٹ کے ساتھ باٹ کا پچھلا نہین لگاتے،
بات یہ ہو کہ حیف من علم رادہ من عقل باید، لہذا پڑھے لکھے جاہلون اور عوام کو ہم ایک ہی لاٹھی یا
یا ایک ہی لاٹھی سے ہانکتے ہین،
پروفیسر صاحب کو تاریخی واقعات سے استنباط کا بھی سلیقہ نہین، ولی کا کلام دہلی پہنچتا ہے"

خود پروفیسر صاحب کے الفاظ مین،
"دلی والون نے اُسے آنکھون سے لگایا، اور دل مین بٹھایا، گلی گلی ولی کا کلام پڑھا جانے
لگا، قبولِ عام نے دلی والون کو بھی شوق دلایا، انھون نے بھی ریختے مین شعر کہے،...."
مگر دوسری جگہ فرماتے ہین کہ :-
"اردو زبان دکن سے واپسی کے بعد اتنی بدل گئی تھی، اور وہان کی بولیون نے اس کے مزاج
مین اتنا اثر کر لیا تھا کہ وہ ایک نئی زبان معلوم ہوتی تھی"
کیا یہ تعجب کی بات نہین کہ وہی زبان جو اتنی بدل گئی تھی کہ دلی کے شاعرون کو نئی معلوم ہوتی
تھی وہی اُن کا دل بھی موہ لے، سبب کہین اور ڈھونڈنا تھا، ولی پہلی مرتبہ عہد اورنگ زیب ۱۷۰۰ء
مین دہلی آیا، اور شاہ سعد اللہ گلشن کی خدمت مین حاضر ہوا، انھون نے مشورہ دیا کہ ریختہ بطرز فارسی
گویان موزون کرو، ولی نے یہی راہ اختیار کی، دوبارہ جب ۱۷۲۲ء مین دہلی آیا، تو اس کے کلام کو
قبولِ عام حاصل ہوا، پروفیسر صاحب تسلیم کرتے ہین کہ وہ فارسی الفاظ، فارسی ترکیبین، اور فارسی
محاورات کے اردو ترجمے زیادہ استعمال کرنے لگا تاہم اس امر کو اہمیت نہین دیتے، حالانکہ یہی
فارسی الفاظ و تراکیب کا اردو کی بول چال مین امتزاج ہے جس نے دہلی والون کو فارسی
کے بجاے اردو مین غزل گوئی کی طرف مائل کیا؛ اور اسی مین ولی کی شاعری کی مقبولیت کا راز
ہے، بقول آزاد :-

"اردو زبان اس وقت سوائے ہندی دوہرون اور بھاشا کے مضامین کے اور
کسی قابل نہ تھی، انھون نے (ولی نے) اس مین فارسی ترکیبین اور فارسی مضامین
کو بھی داخل کیا،.... ایک زبان کو دوسری زبان سے ایسا بے معلوم جوڑ لگایا ہے کہ
آج تک زمانے نے کئی پلٹے کھائے، مگر پیوند مین جنبش نہ آئی"

اسی کی طرف ڈاکٹر ظہیر الدین مدنی نے اشارہ کیا ہے جن کا قول پروفیسر صاحب نے نقل کیا مگر اس کی معنویت تک ذہن کی رسائی نہ ہوئی :-

"ولی ایسا مصلح شاعر پیدا ہوا جس کی دوربین نگاہ نے زبان و ادب کی مشکلات کو پالیا، اور ان گتھیوں کو سلجھایا، اور ایک شاہراہ قائم کر دی، اور اسی طرح شمال، گجرات اور دکن کے فرق کو مٹا کر وحدت لسانی قائم کر دی، اور زبان کا ایک معیار قائم کر دیا"

مگر ہمارے پروفیسر صاحب فرماتے ہیں کہ یہ کوئی بڑی تحریک نہیں تھی، اور نہ اس کا تعلق زبان کی تہذیب و تحسین ہی سے ہے،

ع ببین تفاوت رہ از کجا است تا بکجا!

مئی کے معارف میں پروفیسر صاحب نے جو تازہ حوالے دیئے ہیں، اُن کا بھی یہی حاصل ہے، کہ دلی والوں نے زبان و بیان میں ولی کا تتبع کیا، مگر یہ زبان تھی کون سی؟ وہی جو شاہ سعد اللہ گلشن کے امتثالِ امر میں اختیار کی گئی تھی، یعنی جس میں فارسی کا امتزاج تھا، اور جو دلی کی بول چال کے مطابق تھی، (ملاحظہ ہو تذکرہ شعر الہند جلد اول صفحہ ۲)

پروفیسر صاحب بڑی دیدہ دلیری سے دوسروں کی عبارت کو حسب منشا توڑتے مروڑتے اور اس میں تحریف کرتے ہیں، حاتم کی اصلی تحریر کو اس طرح مسخ کیا ہے،

"دس بارہ سال سے میں نے ان الفاظ کو (دکنی الفاظ) ترک کر دیا ہے اور عربی و فارسی الفاظ جو کثیر الاستعمال ہیں، اور دہلی کا روزمرہ جسے میرزایان ہند اور فصیح گویان رند بھی سمجھتے ہیں، اختیار کر لیا ہے، .... صرف روزمرہ جو عام فہم بھی ہے، اور خاص پسند بھی"

جب ان الفاظ کے بعد قوسین میں "دکنی الفاظ" کھیلے گا، تو قدرتی طور پر خیال ہوگا کہ بیشتر

کی عبارت میں شاہ حاتم نے دکنی الفاظ کا ذکر کیا ہوگا، حالانکہ ایسا نہیں ہے، میں دیوان زادہ کے دیباچے کی متعلقہ عبارت تذکرۂ آب حیات سے نقل کئے دیتا ہوں،

"لفظ ورد و بر - واز و الفاظ و افعال دیگر کہ در دیوان قدیم خود تقید داشت در دہ دوازدہ سال اکثر الفاظ را از نظر انداختہ و الفاظ عربی و فارسی کہ قریب الفہم و کثیر الاستعمال باشد، و روزمرۂ دہلی کہ مرزایان ہند و فصیحان رند، در محاورہ آرند منظور دارد"

آپ نے پروفیسر صاحب کی چالاکی ملاحظہ فرمائی، اکثر الفاظ کا ترجمہ ان الفاظ کیا، اور قوسین میں دکنی الفاظ کا منگڑھت اضافہ کر دیا!

دوسری جگہ شاہ حاتم مزید تشریح کرتے ہیں؛

"زبان ہندی بھاکا را موقوف کردہ محض روزمرہ را کہ عام فہم و خاص پسند باشد اختیار نمودہ شمہ از آں الفاظ کہ تقید دارد بہ بیان می آرد، چنانچہ عربی و فارسی مثلاً تسبیح را تسبی و صحیح را صحی و بیگانہ را بگانہ و دیوانہ را دوانہ و مانند آں یا متحرک را ساکن و ساکن را متحرک مرض را مرض و نیز الفاظ ہندی مثل نین و جگ و نت وغیرہ"

آپ نے دیکھا کہیں دکنی الفاظ کا نام تک نہیں آیا ہے تاہم پروفیسر صاحب کس ڈھٹائی سے حاتم کی عبارت میں اپنی بات کی پرورش کے لئے رد و بدل کرتے ہیں،

مصحفی اپنے تذکرہ میں شاہ حاتم کی شاعری کی ابتدا یہ لکھتے ہیں کہ

"سنہ محمد شاہی عہد میں ولی کا دیوان دکن سے دہلی میں آیا، ..... شاہ حاتم کی طبیعت موزون نے بھی جوش مارا، شعر کہنا شروع کیا، اور ہمت و لیاقت سے اس کو انتہا کو پہنچایا" (منقول از تذکرہ آب حیات)

محمد شاہ کا عہدِ حکومت ۱۷۱۹ء تا ۱۷۴۸ء ہے، شاہ حاتم خود کہتے ہیں کہ دیوان قدیم

نادر شاہ کے حملے سے پیشتر مرتب کر چکے تھے، نادر شاہ کے حملے کا سال ۱۷۳۹ء ہے، دیوان زادہ کی ترتیب کا سال سنہ عزیز الدین عالمگیر ثانی (۱۷۵۴ء ۔ ۱۷۵۹ء) ہے، اس طرح ۱۷۵۵ء مین ترتیب شروع ہوئی، اور اس سے دس بارہ سال پیشتر سے (یعنی ۱۷۴۵ء یا ۱۷۴۷ء سے) بھاکا وغیرہ کے الفاظ ترک کرنے لگے تھے، ولی کا دیوان ۱۷۲۲ء مین دہلی پہنچ گیا تھا، گویا بیس پچیس برس تک دور اول کے شعرا ے دہلی کو یہ احساس ہی نہین ہوا کہ ہم جس زبان مین شعر کہہ رہے ہین، وہ ہماری زبان کے روزمرہ کے خلاف ہے، تاہم پروفیسر صاحب مصر ہین کہ اردو زبان دکن سے واپسی کے بعد اتنی بدل گئی تھی، اور وہان کی بولیوں نے اس کے مزاج مین اتنا اثر کر لیا تھا کہ وہ ایک نئی زبان معلوم ہوتی تھی، (معارف دسمبر ۱۹۵۱ء صفحہ ۴۴۳) نیز مئی کے معارف مین اس کا اعادہ ان الفاظ مین کرتے ہین :۔

"ولی کے تتبع کرنے والون نے صرف شعر کی روش اور اسلوب ہی مین اس کی تقلید نہین کی، بلکہ انھون نے زبان بھی وہی اختیار کی"

اور یہ بھول جاتے ہین کہ یہ وہی زبان تھی، جس مین ہندی کی جگہ فارسی کے الفاظ و محاورات نے لے لی تھی، اور جو دہلی کے محاورات و روزمرہ کے مطابق تھی، یہ ہے پروفیسر صاحب کا طرز استدلال جو خود ان کی نظر مین سچی اور ٹھوس علمی بنیادون پر استوار ہے، یہ تحقیق تو ہے نہین اور جا ہے جو کچھ ہو، بات صرف اتنی ہے کہ زبان شعر کی اصلاح کا کام شاہ حاتم نے شروع کیا، ورنہ پروفیسر صاحب کو خود اعتراف ہے کہ میرا تیرا کی جگہ مجھ اور تجھ کسی کی جگہ کسو فصحاے دہلی کی زبان تھی، کبھو کدھی جدھر تس پر تین ٹک وغیرہ عام طور سے استعمال مین آتے تھے، ناسخ نے ان پر خط نسخ کھینچا، بقول انشاء مرزا مظہر اپنی نکون بولتے تھے، اور شاعری کو ایہام سے مرزا مظہر جان جانان نے پاک کیا، اصلاح کا سلسلہ میر اور سودا نے جاری رکھا، اور تکمیل ناسخ نے کی، دہلی کی زبان مین دکنی

الفاظ کی آمیزش کی بنا پر اصلاح زبان کا آغاز ہونا ایک افسانہ ہے جس کا موجد پروفیسر صاحب کا دماغ ہے، اور جس کو حقیقت سے کوئی واسطہ نہین، بدلتے ہوئے زمانے کے ساتھ زبان مین بھی تغیرات ہوتے رہے، آج بھی ہوتے ہین، اس اصول سے کوئی زندہ زبان بری نہین، شکسپیر کے وقت کی انگریزی سے آجکل کی انگریزی بہت کچھ مختلف ہے، زبان کی صفائی اور اصلاح کا سہرا ناسخ لکھنوی کے سر ہے، اُن کی اصلاحات کو خود دہلی والون نے قبول کیا، پروفیسر صاحب کو تسلیم ہے، کہ "زبان کے اس پیغمبر (ناسخ) نے الفاظ کے صحیح اور باموقع استعمال سے اس کا ایک معیار قائم کیا، تاہم لکھنؤ والون سے لفظانے کے استعمال میں لغزش ہوئی ہے، یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے" !

پھر فرماتے ہین :۔

"مین نے لکھا تھا کہ لکھنؤ اور اس کے آس پاس کا علاقہ اودھی اور اس کے حلقے کی دوسری بولیون کا علاقہ ہے، یہان کے عوام کی زبان اودھی تھی، پوربی بولتے تھے، (اور آج بھی بولتے ہین) گھرون اور گلیارون مین اس کا سکہ چلتا تھا، اثر صاحب ان مین سے کسی چیز کا بھی انکار نہ کر سکے، آخر وہ اس حقیقت کو کیسے جھٹلاتے"

ایسے ہفوات کا جواب میرے نزدیک اتنا کافی تھا کہ لکھنؤ کی جگہ دلی اور اودھی کی جگہ پنجابی پڑھیے، نیز ناسخ کے متعلق اپنا یہ قول ذہن مین رکھتے ہوئے کہ زبان کے اس پیغمبر نے لفظانے کے صحیح اور باقاعدہ استعمال کا ایک معیار قائم کیا، دہلی کے تاجدار حضرت بہادر شاہ ظفر کا یہ مطلع پڑھیے ؎

ہم نے ہی اس کی ادا ے ناز پہنچانی ہوئی	چال پہنچانی ہوئی آواز پہنچانی ہوئی

اور دیکھیے کہ دہلی کی اردو پر اس کی پڑوسن پنجابی کے کتنے روے جمے ہوئے ہین، مین نے یہ بھی کہا تھا کہ پروفیسر صاحب لکھنؤ کی گھریلو زبان کو اودھی سے متاثر کہتے ہین، حالانکہ زبان کی تراش خراش انھیں محلون مین ہوتی تھی، یہین کی زبان مستند اور ٹکسالی مانی جاتی تھی، یہین نفیس اور دلپذیر اختراعات ہوا کرتے

جن کی میں نے چند مثالیں بھی پیش کر دی تھیں،

کیسی حیرت کی بات ہو کہ ہندوستانی لشکری اور بازار کی زبان ہونے کی وجہ سے ہندوستان بھر میں تو پھیل جائے، صرف بدقسمت لکھنؤ اس سے محروم رہے، انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا یہ اقتباس بھی دعوتِ نظر دیتا ہو:۔

"ہندوستانی ادب اس مقالے میں اُن تصنیفات کا تذکرہ کیا جائے گا، جن کا تعلق ہندوستان کی دیسی زبانوں سے ہے، ہندوستان سے مراد وہ خطہ ہے، جس میں جمنا اور گنگا کی وادیاں مشرق میں دریائے کوسی تک اور جنوب میں وہ خطہ جس میں راجپوتانہ، وسط ہند (بندیلکھنڈ اور بگھیل کھنڈ) مغرب میں وادی نربدا، کھنڈوا تک اور صوبۂ متوسط (سی پی) کا نصف شمالی حصہ بھی شامل ہو، اس تمام خطے میں مختلف بولیاں رائج ہیں، شہروں کے باشندے ہر جگہ خاص کر وہ زبان استعمال کرتے ہیں، جس میں فارسی الفاظ اور جملوں کا ذخیرہ ہے، اور جو فارسی رسم الخط میں لکھی جاتی ہو، دیہات کے باشندے جو اکثریت میں ہیں، مختلف اقسام کی ہندی بولتے ہیں،

دیکھا تو یہ گیا ہے کہ دیہاتیوں کی زبان پر شہر والوں کے الفاظ چڑھ جاتے ہیں، نہ کہ شہر والوں کی زبان پر دیہاتی بولی قبضہ جمائے ع

"الٹی گنگا بہاؤ، بہنے کی نہیں"،

اس کے بعد پروفیسر صاحب کے اس ادعائے باطل کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے، کہ لکھنؤ والوں کی گھریلو زبان پوربیا تھی،

پروفیسر صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ اردو اُن چند اونچے گھرانوں کی زبان تھی، جو دہلی سے آکر لکھنؤ میں آباد ہو گئے تھے، باقی اصلی باشندوں کی زبان پوربیا تھی، یہ بھی غلط، انشا دریائے لطافت میں چشمہ یہ حالات اس طرح بیان کرتا ہو:۔

"در لکھنؤ از سبب قرب اتمام شاہجہان آبادیان فصیح و غیر فصیح جمع شدہ اند، و این شہر شاہجہان آباد شدہ و است لکھنؤ نماندہ است"

یہی تذکرہ آبِ حیات میں آزاد کہتے ہیں:۔

"لکھنؤ کو دیکھ کر سمجھ لو کہ دلپسند ایجادوں اور رنگین باتوں کا ایجاد ہونا کسی شہر کے اینٹ پتھر کی تاثیر نہیں ہے، ہاں شائستہ اور رنگین مزاج لوگ جہاں جمع ہوں گے، اور دلپسند باتوں کے نمونے سامنے موجود ہوں گے، وہیں سے وہ پھول کھلنے لگیں گے، چنانچہ وہی دلی کے لوگ اُن کی اولاد تھی کہ جب تباہی سلطنت اور آبادی لکھنؤ کے سبب وہاں پہنچے، تو چند روز میں ویسی ہی تراشیں وہاں سے نکلنے لگیں، لکھنؤ دارالسلطنت ہو گیا، اور اس کے ضمن میں زبان بھی دلی کی اطاعت سے آزاد ہو گئی"،

کہاں یہ حقائق کہاں پروفیسر صاحب کی خرافات جس کا کوئی سر پیر نہیں،

اس کے بعد پروفیسر صاحب نے چند مثالیں میرے "اعترافِ شکست" کی پیش کی ہیں، اور یہاں تک پہنچتے پہنچتے میں تو نہیں وہ آپے سے باہر ہو گئے ہیں، انھوں نے فرمایا تھا، اور میں نے اعتراف کیا تھا کہ اہلِ لکھنؤ (سب نہیں بعض) عربی مؤنث الفاظ کی جمع کو بھی مذکر بولتے ہیں، میں نے یہ بھی کہا تھا، کہ یہ اُبج میرے ہوش کی بات ہے، اور یہی قول مولوی عبد الحق صاحب کا ہے کہ بعض متاخرین اہلِ لکھنؤ کا یہ اصول ہے، (قواعد اردو ۳۹) میں نے یہ بھی عرض کیا تھا کہ اصول صحیح ہو یا غلط اس کو اودھ پر اودھی کے اثر سے کیونکر تعبیر کیا جا سکتا ہے، جب یہ کل کی بات ہو، میں خود اُن لوگوں میں ہوں، جو اس قاعدے کی سختی سے پابندی نہیں کرتے،

میرے ان معروضات پر پروفیسر صاحب کے ارشادات ملاحظہ ہوں فرماتے ہیں:۔

"کیا اچھا ہو کہ وہ لکھنؤی زبان کی دوسری بدعتوں سے اسی طرح بیزار ہو جائیں تاکہ

اردو کے اصلی مرکز دلی سے الگ لکھنؤ میں ڈیڑھ اینٹ کی جو "مسجد ضرار" بنائی گئی ہے، وہ اردو
کی وحدت لسانی کو ضرر نہ پہنچائے"

میں نے کہا کیا تھا اور پروفیسر صاحب نتیجہ کیا نکالتے ہیں، میں نے کہا کہ "سختی سے پابندی نہیں
کرتا، انھوں نے اس کا مطلب نکالا کہ بالکل پابندی نہیں کرتا ع

من چہ می سرایم و طنبورۂ من چہ می سراید

اسی کا نام ہے،

اسی طرح علامت مصدری کو مفعول کا تابع ہونا چاہئے (میں غلطی سے مفعول کی جگہ فاعل لکھ
گیا، پروفیسر صاحب نے توجہ دلائی شکریہ) مذکر ہو تو "نا" مؤنث ہو تو "نی" یہ دہلی کا قاعدہ ہے، تمام
لکھنؤ کسی حالت میں علامت مصدری نہیں بدلتے، صرف "نا" رکھتے ہیں، اس قول کی صحت کو تسلیم کرنے
کے بعد میں نے بتایا تھا کہ یہ بھی حضرت جلال لکھنوی کی اپج ہے، اور حال ہی کا واقعہ ہے، اس پر بھی
تمام فصحائے لکھنؤ متفق نہیں ہیں، اور دونوں طرح کی مثالیں پیش کی تھیں، اسی کے ساتھ دریافت کیا تھا
کہ اس کو اودھی اثر کیوں کہا جاتا ہے،

پروفیسر صاحب میرے مفروضہ اعترافِ شکست سے بھی مطمئن نہیں، فرماتے ہیں مجھے اثر صاحب
کے قول پر اعتماد نہیں، وہ بحث میں زچ ہو کر اکثر اپنی غلطی کا اعتراف کر لیتے ہیں لیکن اس پر عمل نہیں
کرتے، اور اس کے ثبوت میں میرا ایک مضمون ۱۹۳۲ء کا ڈھونڈ نکالا، لیجئے صاحب میں بحث میں
زچ ہوا اور عمل ۱۹۳۲ء میں نہیں کیا! خدا پروفیسر صاحب کی عقل پر رحم فرمائے،

ایک اور گھبراہٹ ملاحظہ فرمائیے:-

اثر صاحب نے رسالہ شاعر اکتوبر ۱۹۵۱ء میں صاف صاف اقرار کیا تھا کہ صرف ایک جملے
میں جو عوام بولتے ہیں، "برسیں ہوگئیں" "برسیں" آیا ہے، معارف میں اس سے بھی مکر گئے فرماتے ہیں

میں نے کسی ثقہ کو برسیں بصیغۂ جمع بولتے نہیں سنا"
خدا کے واسطے "صرف عوام بولتے ہیں"، اور "ثقہ نہیں بولتے ہیں" میں کیا فرق ہے، اور اس میں
مکرنے کی کیا بات ہے،

اس کے بعد پروفیسر صاحب نے ایک طویل بحث چھیڑی ہے کہ "میں دو جملے بولا" غلط اور لکھنوی
زبان میں اودھی اثر کا غماز ہے، کیونکہ اودھی میں "نے" کا سرے سے وجود ہی نہیں، جیسے "میں نے دو جملے
بولے ہیں" مارچ کے معارف میں میں نے علاوہ دیگر مباحث کے پروفیسر صاحب کو توجہ دلائی تھی کہ مولوی
عبدالحق صاحب نے "وہ جھوٹ بولا" کو بھی "اس نے جھوٹ بولا" کے ساتھ ساتھ صحیح قرار دیا ہے (قواعد اردو
طبع ثانی ص ۱۵۴)

اس مرتبہ نگار بابت دسمبر ۱۹۵۱ء عیسوی میں افاداتِ نظم طباطبائی پڑھنے کے بعد ارشاد
ہوتا ہے کہ:-

"بولا تو لازم بھی ہوتا ہے، پڑھا تو کسی منطق سے بھی لازم نہیں، آپ کے عالم و عامی
سبھی اس کو بغیر "نے" استعمال کرتے ہیں، اور اس نے خوب پڑھا کو "وہ خوب پڑھا" کہتے ہیں"

حضرت آزاد تذکرۂ آبِ حیات میں میر خلیق کے حالات میں تحریر کرتے ہیں کہ

"جب کوئی آکر تعریف کرتا کہ آج (میر انیس) فلاں مجلس میں کیا خوب پڑھے ہیں،....
تو انھیں خوش نہ آتا تھا"

یعنی آزاد یہ نہیں لکھتے کہ آج میر انیس نے فلاں مجلس میں کیا خوب پڑھا ہے، تو حضرت سلامت
پہلے اپنے بزرگواروں سے مواخذہ کیجئے، پھر لکھنؤ والوں کے منہ آئیے،

میں نے اپنے پہلے مضمون میں توجہ دلائی تھی کہ دلی میں لفظ سانس کی تذکیر و تانیث مختلف فیہ ہے؛
جواب ملتا ہے کہ:-

"سانس آہ کے معنی میں مؤنث ہے، جیسا کہ ظفر کے اس مصرع میں ع:-

ٹھنڈی ٹھنڈی جو کوئی سانس ہے آتی جاتی

آہ بھی سانس کی طرح آتی جاتی ہے، چہ خوش! پروفیسر صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ

"رہا خود دہلی والوں کا بعض الفاظ کی تذکیر و تانیث میں اختلاف سو وہ اس سلسلے میں کوئی اہمیت نہیں رکھتا کیونکہ وہ گنے چنے لفظوں میں ہے اور اس لئے محدود ہے....."

اب ذرا مرقع زبان و بیان دہلی مرتبہ سید احمد صاحب کی یہ عبارت ملاحظہ فرمائیے:-

"ہر شاعر کا تذکیر و تانیث میں اختلاف..... قلم کو کسی نے مذکر باندھا، تو کسی نے مؤنث، دوزخ کو کوئی مذکر بولا تو کوئی مؤنث، سانس کو کسی نے مؤنث مانا تو کسی نے مذکر، رتھ کو اہل قلعہ نے مذکر کہا تو اہل شہر نے مؤنث، نشو و نما و منشا، نیز التماس ایسے الفاظ ہیں کہ دونوں طرح بولے جاسکتے ہیں،....." (منقول از دلی کا دبستان شاعری)

ظاہر ہے کہ یہ فہرست مکمل نہیں، میر نے خشم، گلزار، اور خواب کو مؤنث نظم کیا ہے، تلاش کی جائے تو نہ معلوم کتنے ایسے الفاظ ملیں گے، جن کی تذکیر و تانیث میں خود اہل دہلی کے مابین اختلاف ہے، لیکن پروفیسر صاحب کے نزدیک لکھنؤ والوں کو تذکیر و تانیث کا صحیح احساس نہیں، ع

تجکو پرائی کیا پڑی، اپنی نبیڑ تو (ذوق)

حضرت بہادر شاہ ظفر کا پنجابی استعمال تو "محض آڑیج نہیں تھا، بلکہ انھوں نے پنجابی آمیز اردو میں بہت سے کبت بھی کہے ہیں، (منقول از دلی کا دبستان شاعری، مؤلفہ ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی ایم اے ص ۴۰۳) جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ پنجابی اُن کی زبان پر چڑھی ہوئی تھی،

پھر لفظ مالا کی تذکیر و تانیث کی بحث چھیڑ کر پروفیسر صاحب یوں گوہر فشاں ہوئے ہیں:-

"ایک یہی لفظ مالا حضرات لکھنؤ کے ذوقِ تذکیر و تانیث کے لئے دلیل راہ کافی ہے، ایک

مذکر بولتے ہیں، کیوں، شاید اس لئے کہ اس کے آخر میں الف ہے، لیکن ان بیچاروں کو کیا معلوم کہ اردو میں الف تذکیر فاعلی حالت میں ے ہوجاتا ہے، جیسے بگلا، اور بگلے کے پر، اگر مالا کا الف علامت مذکر ہوتا، تو اہل زبان یوں کہتے "اس مالے کی قیمت کیا ہے" کیا حضرت اثر نے کسی غیر ثقہ اہل زبان کو اس طرح بولتے یا بگاڑتے سنا ہے"

غریب اثر آخری جملے کا مطلب ہی نہیں سمجھا، جواب کیا دے، البتہ اتنا جانتا ہے کہ ماہر لسانیات حضرت شوکت سبزواری کے مقابلے میں بوڑھا جلال لکھنوی زیادہ محقق تھا، مفید الشعراء ص ۱۱ سے اس کی عبارت نقل کی جاتی ہے:-

"لفظ مالا کی تذکیر و تانیث میں اختلاف ہے، بعضے مذکر بولتے ہیں، بعضے مؤنث لیکن بقید نظم فصحائے لکھنؤ کے کلام میں مذکر ہی پایا جاتا ہے..... فصحائے دہلی مالا کو فقط مؤنث بولتے ہیں، ان کے استعمال میں مذکر نہیں ہے"

شعرائے لکھنؤ نے لفظ مالا کو مؤنث استعمال کرنے سے غالباً اس لئے اجتناب کیا کہ مذکر کی حالت میں مالے جمع بآسانی بن جاتی ہے، مؤنث کی حالت میں مالائیں جمع ہوگی جس میں نصف رکن بڑھ جاتا ہے، اختلاف تذکیر و تانیث کا ایک سبب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جو مالا کو تسبیح کا مترادف سمجھا، وہ مؤنث بولنے لگا، جو کنٹھے کا مترادف سمجھا اُس نے مذکر کے حق میں فیصلہ کیا، مرکب الفاظ جبھی، سبھی، ہمیں، اور نہیں وغیرہ کے متعلق میں نے عرض کیا تھا کہ یہ طریقہ صرف لکھنؤ میں ہی رائج نہیں، دہلی والے بھی اس پر کاربند ہیں، امثال میں دہلوی شاعروں کے شعر پیش کیے، چونکہ میر اور غالب کے اشعار میں نہیں، ہی اور بھی پڑھے جاسکتے تھے، لہذا اسے تو پروفیسر صاحب نے کاتب کے سر ٹالا، میر مہدی مجروح کے شعر میں ایسی تاویل نہیں چلی، تو کہہ دیا کہ یہ لکھنؤ کا اثر ہے، علاوہ بریں پروفیسر صاحب کو چاہیے کہ مجھ سے الجھنے کے بدلے مولوی عبد الحق صاحب کے گریبان گیر ہوں جو لکھتے ہیں کہ

"تم ہی کے ساتھ مل کر ہمین ہوا، اور ہم ہی کے ساتھ مل کر ہمین ہوا"

(قواعد اردو ص ۱۲۳)

ہان میر مہدی مجروح دہلوی شاگرد رشید غالب کو بھی دو چار صلواتین سنا دیجئے کہ لکھنو کو عمر بھر تو برا کہا کئے لیکن اُس کے تتبع مین یہ شعر کہدیا ؎

اس کا ملنا تو ہے بہت دشوار — گم ہون اس راہ مین ہمین نہ کہین

ایک شعر حضرت بہادر شاہ ظفر کا بھی حاضر ہے،

گیا لطفِ سخن تو ذوق کے ہمراہ دنیا سے — جو تھوڑا سا رہا ہے اے ظفر کچھ تو ہمین تک ہے

اس مین بھی ہمین قافیہ ہے اور پروفیسر صاحب کی کوئی توجیہ نہین چل سکتی،

حاصل کلام یہ کہ پروفیسر صاحب یہ ثابت کرنے مین قطعاً ناکام رہے کہ لکھنوی اردو مین اودھی زبان کے اثرات آگئے ہین،

اب مین سید انشاء کی دریائے لطافت سے چند اقتباسات پیش کرتا ہون، جن سے معلوم ہوگا، کہ پنجابی زبان دہلی کی اردو پر کس درجہ متصرف ہو گئی تھی،

"ساکنان مغل پورہ کہ محلۂ بزرگ شاہ جہان آباد است روزمرۂ اردو با روزمرۂ پنجاب ممزوج ساختہ حرف می زنند"

پھر کشمیریون کی زبان کا ذکر آتا ہے، پھر محلہ سادات بارہہ کا، بعد ازان ایک عام بیان ہے:

"ہم چنین سکنۂ محلات دیگر کہ بعضے از صحبت والدین زبان یاد داشتہ و بعضے زبان فریدآباد و بعضے زبان رہتک و بعضے زبان سونی پت و بعضے زبان میرٹھ یاد گرفتہ با روزمرہ اردو ضم نمودند بخدا کہ گفتگوے شان شبیہ بجانورے است کہ چہرہ اش چہرہ (آدم؟ اثر) است و باقی تمامش بصورت خر باشد......"

اسی مرقع زبان و دہلی کا ایک اور اقتباس (منقول از دہلی کا دبستان شاعری)

"قبل از غدر یعنی آج سے ستانوے برس پیشتر جسے ۱۸۵۷ء سے تعبیر کرنا چاہئے، اس زبان کی تراش و خراش، اصلاح و درستی برابر جاری تھی، گویا دہلی مین ایک مان کی دو بیٹیان راؤ چاؤ سے پرورش پا رہی تھین، بڑی بیٹی کا مسقط الراس قلعۂ معلی تھا، چھوٹی کا دلی شہر، مگر شہر اور قلعے کی بیگماتی زبان اور مردانہ بول چال مین بھی بڑا فرق تھا، عورتون کی خاص زبان اور تھی، مردون کی اور، علیٰ ہذا القیاس شہر مین بھی اناث اور ذکور کے روزمرے مین اختلاف بلکہ بین فرق تھا، ہر محلے کی زبان الگ، ہر کوچے کے محاورے جدا،....."

پروفیسر صاحب جو عوام کی زبان کا دم بھرتے ہین کیا ایسی ہی زبان کو دہلی کا سرمایۂ ناز جانتے ہین جس کا کوئی معیار معیار ہی قائم نہ تھا، انشاء کا یہ قول بھی یاد رہے،

"فصاحت در دہلی ہم نصیب ہر کس نیست۔ منحصر است در اشخاص معدود،"

ایک جگہ (معارف بابت ماہ مئی ص ۳۶۹) پروفیسر صاحب میرے جواب مین تحریر فرماتے ہین کہ:-

(لکھنؤ والون کا) "تذکیر و تانیث کے اصول منضبط کرنا ہی اس امر کی دلیل ہے کہ اودھی زبان بولنے والے (لیجئے صاحب اب تک ہماری اردو اودھی سے متاثر تھی، اب ہم نرے کھرے اودھی بولنے والے ہوگئے یعنی ہماری زبان ہی اودھی ہو گئی، (اردو سے کوئی علاقہ نہ رہا، اثر) لفظون کی فطرت، بناوٹ اور مزاج سے ناواقف ہین، وہ اُن کی جنس نہین پہچانتے، اور اسی لئے اصول اور ضوابط کے محتاج ہین"

واہ ری منطق، جو لوگ اصول سے واقف نہین، وہ اصول منضبط بھی کرتے ہین!

انشاء دہلوی کی دریائے لطافت کا ایک حصہ صرف و نحو سے متعلق ہے، مولوی سید احمد صاحب دہلوی ڈکشنری کا مرتب کرنے مین فیلن کے شریک کار رہے، بعد ازان خود فرہنگِ آصفیہ لکھی، لفظون کی تذکیر و

تانیث کے علاوہ لکھنؤ اور دہلی مین بعض الفاظ کی تذکیر و تانیث کا فرق دکھایا، الفاظ کے صحیح استعمال کی مثالون مین متعدد شعرائے لکھنؤ کے اشعار پیش کئے، تو جھک مارا، مولوی نور الحسن کاکوروی نے نور اللغات لکھی، تو حماقت کی، پروفیسر صاحب کا قول باور کیا جائے تو سید احمد صاحب نے غیر دہلویون کی ہدایت کے لئے کتاب لکھی، اور نور الحسن صاحب نے غیر لکھنویون کے لئے، لہذا اگر پروفیسر صاحب کا طریق استدلال صحیح ہو، تو اردو مین کوئی اردو کا زبان دان رہتا ہی نہین، یہ ضرور ہے کہ زبان کے ابتدائی دور مین اس کی فرہنگ مرتب کرنے کی طرف اہل زبان متوجہ نہین ہوتے، مگر جب زبان ادبی حیثیت حاصل کر لیتی ہے، تو لغت کی تدوین شروع ہوتی ہے تاکہ عام لوگ بلا تفریق مقام اس سے مستفید ہون، اس سیدھی سی بات کو پروفیسر صاحب نے کتنا گھما دے کر بیان کیا ہے!

معارف بابت ماہ جون ۳۳ء | ابتدائی حصہ مین پروفیسر صاحب نے دہلی زبان کا جو خاکہ باندھا ہے اس کے متعلق مجھے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا۔ بعد ازان ان اعتراضات کے جوابات دینے کی کوشش کی ہے جو مین نے ان کی عبارت کے بعض اجزا پر کئے تھے، اُن کا ایک جملہ تھا کہ

"لکھنؤ کی زبان کا ایک مفہوم ادب مین ہے، جو زبان کے ساتھ طرز بیان کو شامل ہے"

"مجھے کو شامل ہے" پر اعتراض تھا، وہ فرماتے ہین کہ یہ عربی کا ترجمہ ہے، باشد، یہ دقیانوسی زبان اُنھی کو مبارک رہے،

مجھے ٹھاٹ باٹ پر اعتراض تھا کہ یہ عامیانہ زبان ہے، ہم خالی ٹھاٹ بولتے ہین، پروفیسر صاحب میری زبان کو پوروا اور اپنی زبان کو پروستاری کہتے ہین، نہایت مناسب فیشن بھی یہی ہے، مصلحت وقت بھی یہی، مجھے ہوا کے ساتھ بدلنا نہین آتا،

پروفیسر صاحب نے آس پڑوس لکھا تھا، مین نے عرض کیا کہ ہم اڑوس پڑوس بولتے ہین، پروفیسر صاحب آس پڑوس کے جواز کی جب کوئی شکل نکالنے مین کامیاب نہ ہوئے تو پاس کو قوسین مین

ہی نہین لکھا، بلکہ یہ چال بھی چلے کہ قوسین مین پاس لکھنا میرا فعل معلوم ہو، اُن کی عبارت یہ ہے:-

"ایک اعتراض یہ ہے کہ پروفیسر صاحب آس (پاس) پڑوس لکھتے ہین" اس کے بعد پروفیسر صاحب کہتے ہین کہ ہم آس پاس بھی بولتے ہین پاس پڑوس بھی اور اڑوس پڑوس بھی، ان مین سے پہلے دو فقرے زیادہ فصیح ہین" اس لئے کہ اڑوس پڑوس بازاری زبان ہے، دوسرے اس کے ادا کرنے مین زبان قلا بازیان کھاتی ہے،

آپ نے دیکھا ابتدائی آس پڑوس کو کیا کیا ٹالے بالے دیئے ہین، اڑوس پڑوس اگر بازاری زبان ہے تو پروستاریون کو اور زیادہ مرغوب ہونا چاہیے، اڑوس پڑوس ادا کرنے مین تو پروفیسر صاحب کی زبان قلابازیان کھاتی ہے، اور پیچ پوچ کہنے مین اینٹھنا، برنا کیا خوب پھسلتی ہے، (ملاحظہ ہو صفحہ ۵۰۴ یہان بھی پیچ پوچ لکھنے والے ہین")

میرا اعتراض لفظ گلیارے پر تھا، کہ گلیارے دیہات سے مخصوص ہین، شہر مین گلی کوچے ہوتے ہین، لکھنؤ مین گلیارے کا یہی مفہوم ہے وہ چوڑے راستے جن پر بیل گاڑی چل سکے، اور جو ایک گاؤن سے دوسرے گاؤن جاتے ہین، مین ملازمت کے دوران مین گاؤن گاؤن پھرا ہون، دیہات مین بھی گلیارے کا یہی مفہوم ہے، اور فیلن بھی یہی کہتا ہے،

"A broad lane in a village."

مین زبان کے لئے لغت کا محتاج نہین، بلکہ اپنی زبان کی صحت کے ثبوت مین لغت کا حوالہ دے دیتا ہون، پروفیسر صاحب نے رسالہ شاعر پڑھا ہے، انھون نے دیکھا ہوگا کہ مین نے صاحب نور اللغات سے متعدد مقامات پر اختلاف کیا ہے،

پروفیسر صاحب نے ٹکا بندھا لکھا تھا، مین نے ٹوکا کہ بندھا ٹکا چاہیے، پروفیسر صاحب یہ تسلیم کرتے ہوئے بھی کہ بندھا ٹکا زیادہ مستعمل ہے، کج بحثی سے باز نہین آتے،

پروفیسر صاحب نے اپنا مضمون میر کے اس شعر پر ختم کیا ہے :-

گفتگو ریختے مین ہم سے نہ کر
یہ ہماری زبان ہے پیارے

پروفیسر صاحب کو علم ہے کہ لکھنوی اثر کو دہلوی میر سے عشق ہے، حال کے ایک شاعر میر صاحب کے مقابلے مین دون کی لینے لگے ہین نے اُن کو مخاطب کرکے اسی شعر کو تضمین کر دیا،

خواب چین و عرب کے دیکھ چکا	چیت ! ہندوستان ہی پیارے
میر صاحب کی ہو غزل جس مین	وہ زمین آسمان ہے پیارے
شعر اُن کا اثر کی تضمین ہے،	لاکھ تو خوش بیان ہو پیارے
"گفتگو ریختے مین ہم سے نہ کر	یہ ہماری زبان ہے پیارے"

پروفیسر صاحب دہلوی ہوتے بھی لکھنوی انیس پر نازان ہی نہین بلکہ اُس کو اُچک لینا چاہتے ہین، حالانکہ اس کی دو پشتین فیض آباد یا لکھنؤ مین گذر چکی تھین، اور دہلی کی صورت بھی نہ دیکھی تھی مین لکھنوی ہونے کے باوصف میر دہلوی کا دم بھرتا ہون، اور پروفیسر صاحب کو اُس کا ایک دوسرا شعر مع اپنی تضمین کے سُنا کر رخصت ہوتا ہون،

کہتے سُنا اثر کو مانند میر ہم نے	ہرچند یہ ہے قطرہ وہ بحر بیکران ہی،
"اس فن مین کوئی بے تہ کیا ہو مرا معارض	اوّل تو مین سند ہون پھر یہ مری زبان ہی"

سیرۃ النبی جلد پنجم کا دوسرا تجدیدِ ایڈیشن

(مشتمل بر منصب نبوت حصۂ عبادات)

جس مین پہلے عبادات کا مفہوم بتایا گیا ہے، پھر نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، جہاد، تقویٰ، اخلاص، توکل، صبر اور شکر وغیرہ جانی مالی و قلبی عبادات کی تشریح، اور اُن کے احکام و مصالح کی توضیح کی گئی ہے،

(از سید سلیمان ندوی)

"منیجر"

اصلاحاتِ اقبال

از

محمد بشیر الحق دسنوی عظیم آبادی

"اس سلسلے کی دو قسطین پہلے اگست اور ستمبر ۱۹۴۹ء کے معارف مین شائع ہو چکی ہین، جو بعض حلقے مین شوق سے پڑھی گئین، اس لئے کچھ اور اصلاحین معارف کے ناظرین کی خدمت مین پیش کی جا رہی ہین، "ص ع"

مثنوی اسرار خودی

مثنوی اسرار خودی (نقش اول) اشاعت اول		سلسلہ وار نمبر اشعار	مثنوی اسرار خودی (نقش ثانی) اشاعت چہارم	
صفحہ طبع اول	بے نیاز از گوش امروز آمدم من صدای شاعرِ فردا استم	۱	صفحہ ۵	نغمہ ام از زخمہ بے پروا استم من نوای شاعرِ فردا استم
۱۲	خیزو در جامم شرابِ ناب ریز در شبِ اندیشہ ام مہتاب ریز	۲	۷	،، بر شبِ اندیشہ ام مہتاب ریز
۱۴	شمع شبخون ریخت بر پروانہ ام بادہ یورش کرد بر پیمانہ ام	۳	۸	شمع سوزان تاخت بر پروانہ ام بادہ شبخون ریخت بر پیمانہ ام
صفحہ ۱۵ (طبع دوم)	حرکتِ اعصابِ گردون دیدہ ام	۴	۱۱	،،

	مثنوی اسرارِ خودی (نقشِ اول) اشاعتِ اول	سلسلہ وار نمبر اشعار		یہ زبان کے باہر مثنوی اسرار خودی (نقش ثانی) اشاعتِ چہارم
	در رگِ مہ دورۂ خون دیدہ ام		صفحہ ۱۰	در رگِ مہ گردشِ خون دیدہ ام
صفحہ ۲۴ طبع اول	خیزد انگیزد فتد تابد دمد	۵	۱۳	خیزد انگیزد پرد تابد رمد
	سوزد افروزد خرامد پر زند			سوزد افروزد کشد میرد دمد
صفحہ نمبر اشاعت اول	گرچہ پیکر می پذیرد جام مے	۶	صفحہ اشاعتِ چہارم	"
۲۵	جنبش از ما دام گیرد جام مے		۱۴	گردش از ما دام گیرد جام مے
	کوہ چون از خود رود صحرا شود	۷		"
	شکوہ سنجِ یورشِ دریا شود			شکوہ سنجِ جوششِ دریا شود
۲۶	سبزہ چون تابِ نمو از خویش یافت	۸	۱۵	سبزہ چون تابِ دمید از خویش یا
	ہمت او سینۂ گلشن شگافت،			"
۲۷	زندگی محکم ز ایقاظ خودی است	۹	"	چون خودی آرد بہم نیروی زیست
	کاہد از خوابِ خودی نیروی زیست			می کشاید قلزمے از جوی زیست
۳۰	نے گرفت از نیستان آئینِ خویش	۱۰	۱۷	نے برون از نیستان آباد شد
	نغمہ زد از لذتِ تعیینِ خویش،			نغمہ از زندانِ او آزاد شد
"	چیست نظمِ قوم و آئین و رسوم	۱۱		"
	چیست راز اختراعاتِ علوم			چیست رازِ تازگیہاے علوم
۳۱	بینی و دست و دماغ و چشم و گوش	۱۲		دست و دندان و دماغ و چشم و گوش
	فکر و تخییل و شعور و یاد و ہوش			"

	مثنوی اسرارِ خودی (نقشِ اول) اشاعتِ اول	سلسلہ وار نمبر اشعار		مثنوی اسرار خودی (نقش ثانی) اشاعتِ چہارم
۳۵	عاشقانِ او ز خوبان خوب تر	۱۳	۱۹	"
	از حسینانِ جہان محبوب تر			خوشتر و زیباتر و محبوب تر
۳۸	چون بنی دخترِ صحرا بے پردہ دید	۱۴	۲۱	دخترک را چون نبی بے پردہ دید
	چادر خود پیشِ روے او کشید			"
۴۰	در تپید متصل آرام من،	۱۵	۲۲	در تپید دمبدم آرام من
	گرم تر از صبحِ محشر شام من			"
۴۲	جملہ اسقام تو از ناداری است	۱۶	۲۴	خستگی ہاے تو از ناداری است
	اصل علت ہا ہمین بیماری است			اصلِ دردِ تو ہمیں بیماری است
۵۰	رفت آن درویش سر افگندہ پیش	۱۷	۲۷	"
	غرق اندر قلزمِ افکار خویش			غوطہ زن اندر یمِ افکار خویش
۵۱	نامۂ آن صوفیِ حق دستگاہ	۱۸	۲۸	نامۂ آن بندۂ حق دستگاہ
	لرزہ ہا انداخت در اندامِ شاہ			"
۵۴	شیر ہا از بیشہ سر بر زدند	۱۹	۳۰	شیر ہا از بیشہ سر بیرون زدند
	بر حصارِ گوسفندان تاختند			بر علف زاران شبخون زدند
۵۶	نیست ممکن کز کمالِ وعظ و پند	۲۰	۳۱	"
	رنگ سبعیت پذیرد گوسفند			خوے گرگی آفریند گوسفند
"	ہبطِ آوازۂ الہام گشت	۲۱		صاحبِ آوازۂ الہام گشت

صفحہ	شنوی اسرار خودی طبع اول (نقش اول)	سلسلہ وار نمبر اشعار	صفحہ	شنوی اسرار خودی طبع چہارم (نقش ثانی)
	واغظِ شیرانِ خون آشام گشت			
۵۸	ذرہ شو صحرا مشو گر عاقلی! تا ز فیضِ نیّرے تابان شوی	۲۲	۳۲	.. تا ز نورِ آفتابے برخوری
۵۹	قومِ شیر از فتح پیہم خستہ بود دل بذوقِ استراحت بستہ بود	۲۳	۳۳	خیلِ شیر از سخت کوشی خستہ بود دل بذوقِ تن پرستی بستہ بود
	آمدش این وعظ خواب آور پسند گشت مسحور از کلامِ گوسفند	۲۴		آمدش این پندِ خواب آور پسند خورد از خامی فسونِ گوسفند
۶۲	راہبِ اول فلاطونِ حکیم از گروہِ گوسفندانِ قدیم	۲۵	۳۴	راہبِ دیرینہ افلاطونِ حکیم ..
۶۴	راکب و سامان و محمل می برد پائے کوبان سوئے منزل می رود	۲۶	۴۵	مست زیرِ بارِ محمل می رود ..
۶۵	لالہ پیہم سوختن قانونِ او رقص پیرا در رگِ او خونِ او	۲۷	۴۶	.. بر جہد اندر رگِ او خونِ او
۸۵	طبعِ فطرت عمرہا در خون تپید تا دو بیتِ ذاتِ او موزون شود	۲۸	۵۱	طبعِ مضمون بند فطرت خون شود ..
۸۸	نرگسم وارفتۂ نظارہ ام در ریاضِ او چو بو آوارہ ام	۲۹	۵۲	.. در خیابانش چو بو آوارہ ام

صفحہ	شنوی اسرار خودی طبع اول (نقش اول)	سلسلہ وار نمبر اشعار	صفحہ	شنوی اسرار خودی طبع چہارم (نقش ثانی)
۸۹	فکرِ گردون رس زمین پیما از و دیدۂ اعمٰی گوشِ ناشنوا از و	۳۰	۵۳	.. چشمِ کور و گوشِ ناشنوا از و
۹۰	در جہان ہر فتح از کراری است آبروے مرد از خودداری است	۳۱		مردِ کشور گیر از کراری است گوہرش را آبرو خودداری است
۹۲	در عمل مخفی است مضمونِ حیات ذوقِ تخلیق است قانونِ حیات	۳۲	۵۴	در عمل پوشیدہ مضمونِ حیات لذتِ تخلیق قانونِ حیات
۹۳	آزماید صاحبِ قلبِ سلیم ہمتش را از مہماتِ عظیم	۳۳	۵۵	 زور خود را از مہماتِ عظیم
۹۵	مدعی گر صاحبِ قوت بود دعویش مستغنی از حجت بود	۳۴	۵۷	مدعی گر مایہ دار از قوت است دعوی او بے نیاز از حجت است
۹۸	صبحِ ما از مہرِ او تابندہ گشت خاکِ پنجاب از دمِ او زندہ گشت	۳۵	۵۸	خاکِ پنجاب از دمِ او زندہ گشت صبحِ ما از مہرِ او تابندہ گشت
۱۱۲	در بنارس برہمنے محترم غوطہ خوارِ قلزمِ بود و عدم	۳۶	۶۵	.. سر فرو اندر یمِ بود و عدم
۱۱۶	کوہ چون این طعنہ از دریا شنید صد شرار از سینۂ خارا دمید	۳۷	۶۷	.. ہم چو بحر آتش از کین بر دمید
۱۱۹	از تو قلزم سائلِ طوفان شود	۳۸	۶۹	از تو قلزم گدیۂ طوفان کند

صفحہ	مثنوی اسرار خودی طبع اول (نقش اول)	سلسلہ وار نمبر اشعار	صفحہ	مثنوی اسرار خودی طبع چہارم (نقش ثانی)
	شکوہ سنج تنگی داماں شود			شکوہ ہا از تنگی داماں کند
۱۴۴	گفت شیخ این زرحق سلطان ماست آنکہ در پیراہن شاہی گداست	۳۹	۷۲	.. آنکہ در پیراہن شاہی گذاشت
۱۴۹	خانہ سوز طاعت چل سالہ شو طوف خود کن شعلۂ جوالہ شو	۴۰	۷۴	خانہ سوز محنت چل سالہ شو ..
۱۴۲	حرف ملا شمس را حدت فزود آتشے از جان تبریزی کشود	۴۱	۷۵	سوز شمس از گفتۂ ملا فزود ..
	التہاب دل خس ادراک سوخت دفتر آن فلسفی را پاک سوخت	۴۲		آتش دل خرمن ادراک سوخت ..
۱۴۶	عصر نو کز جلوہ ہا آراستہ است از غبار پاے ما برخاستہ است	۴۳	۸۴	عصر نو از جلوہ ہا آراستہ از غبار پاے ما برخاستہ
۱۴۹	ما پریشان چون ہجوم اختریم ہمدم و بیگانہ از یک دیگریم	۴۴	۸۷	ما پریشان در جہان چون اختریم ..
۱۵۲	آفتاب از فیض او گردون مقام برق ہا محو طواف او مدام	۴۵	۸۸	آفتاب از سوز او گردون مقام برق ہا اندر طواف او مدام
۱۵۴	من مثال لالۂ صحرا ستم در ہجوم عالمے تنہا ستم	۴۶	۸۹	" در میان محفلے تنہا ستم

مثنوی رموز بیخودی

صفحہ	مثنوی رموز بیخودی طبع اول نقش اول	سلسلہ وار نمبر	صفحہ	مثنوی رموز بیخودی طبع سوم (نقش ثانی)
ا	اے ترا حق زبدۂ اقوام کرد ختم بر تو دورۂ ایام کرد	۱	۹۳	اے ترا حق خاتم اقوام کرد بر تو ہر آغاز را انجام کرد
د	ز آسمان آبگوں یم می چکد ہر گل صبح چو شبنم می چکد	۲	۹۵	.. بر دل گرم دنا دم می چکد
و	تا ز خاکت لالہ زارے بر دمد نغمہ ہاے خفتہ سر بیروں زند	۳	۹۶	تا ز خاکت لالہ زار آید پدید از دمت باد بہار آید پدید
۲	فرد و قوم آئینۂ یک دیگر اند ہم خیال و ہم نشین و ہمسر اند	۴	۹۸	.. سلک و گوہر کہکشان و اختر اند
۵	چون ز خلوت خویش را بیروں کشد پاے در ہنگامۂ جلوت نہد	۵	۱۰۰	چون ز خلوت خویش را بیروں نہد ..
۸	تا خدا صاحبدلے پیدا کند کز فغانے نغمہ انشا کند	۶	۱۰۲	.. کو ز حرفے دفترے املا کند
۱۳	لا الہ سرمایۂ اسرار ما پردہ بند از شعلۂ افکار ما	۷	۱۰۶	.. رشتہ اش شیرازۂ افکار ما
۱۹	چوں کلیمے سوے فرعونے رود	۸	۱۰۹	

صفحہ	مثنوی رموز بیخودی طبع اول (نقش اول)	سلسلہ وار نمبر	صفحہ	مثنوی رموز بیخودی طبع سوم (نقش ثانی)
	قلبِ خویش از لاتخف محکم کند			قلبِ او از لاتخف محکم شود
۲۵	نعرۂ زد شیرے از دامانِ دشت دشت و در از ہیبتش لرزندہ گشت	۹	۱۱۴	شیر ببر آمد پدید از طرفِ دشت از خروشش او فلک لرزندہ گشت
۳۲	مسلم از مینائے حق صہبا کشد نعرۂ لاقوم بعدی می زند	۱۰	۱۱۸	دل ز غیر اللہ مسلمان برکند "
۳۵	نغمۂ عثمانؓ نوائے بوذرؓ است گرچہ از حلقِ بلالؓ و قنبرؓ است	۱۱	۱۲۲	نعرۂ حیدر نوائے بوذرؓ است "
۴۹	تا حکومت مسندِ مذہب گرفت این شجر در گلشنِ مغرب گرفت	۱۲	۱۳۳	تا سیاست مسندِ مذہب گرفت "
۵۲	غنچۂ از دستِ گلچیں خوں شود رختِ ہستی از چمن بیرون کشد	۱۳	۱۳۵	" از چمن مانندِ بو بیروں رود
۵۴	گرچہ ہم ملت بمیرد مثلِ فرد از اجل فرمان پذیرد مثلِ فرد	۱۴	۱۳۷	گرچہ ملت ہم بمیرد مثلِ فرد "
۵۷	عشق از سوزِ دلِ ما زندہ است از شرارِ لا الٰہ تابندہ است	۱۵	۱۳۹	" از شرارِ لا الٰہ تابندہ است
۵۸	نغمہ از ضبطِ صدا پیداستے چون پریشان شد صدا غوغاستے	۱۶	۱۴۰	" ضبط چون رفت از صدا غوغاستے

صفحہ	مثنوی رموز بیخودی طبع اول (نقش اول)	سلسلہ وار نمبر	صفحہ	مثنوی رموز بیخودی طبع سوم (نقش ثانی)
	روزِ ہیجا لشکرِ اعدا اگر از خیالِ صلح گردد بے خطر	۱۷	۱۴۷	" بر گمانِ صلح گردد بے خطر
۶۸	آن نہالِ سربلند و استوار سیرتِ صحرائی اشتر سوار	۱۸	۱۴۸	" مسلمِ صحرائی اشتر سوار
	پائے تا در وادیِ بطحا گرفت تربیت از خلوتِ صحرا گرفت	۱۹	"	" تربیت از گرمیِ صحرا گرفت
۷۵	خلوتے پیدا کن اندر خونِ خویش با منہ بیرون ز پیرامونِ خویش	۲۰	۱۵۳	کو کجی؟ می تاب بر گردونِ خویش
"	تا نماید تابِ نامشہودِ خویش شعلۂ او جامہ باف از دودِ خویش	۲۱	۱۵۵	" شعلۂ او پردہ بند از دودِ خویش
۷۸	آتشِ او دم بخویش اندر کشد لالہ گردد ز شاخے بر دمد	۲۲		آتشِ او دم بخویش اندر کشید لالہ گردید و ز شاخے بر دمید
۸۳	قیس اگر آوارہ در صحراستے از خیالِ محملِ لیلاستے	۲۳	۱۶۰	" مدعایش محملِ لیلاستے
۸۵	این کہن پیکر کہ عالم نام اوست امتزاجِ امہات اندامِ اوست	۲۴	۱۶۱	" ز امتزاجِ امہات اندامِ اوست
۹۲	حق جہان را ورثۂ نیکان شمرد	۲۵	۱۶۵	حق جہان را قسمتِ نیکان شمرد

صفحہ	مثنوی رموزِ بیخودی طبع اول (نقش اول)	سلسلہ وار نمبر	صفحہ	اقبال مثنوی رموزِ بیخودی طبع سوم (نقش ثانی)
	جلوہ اش با دیدۂ مومن سپرد			..
۹۴	تا قوی از حکمتِ اشیا شود	۲۶	۱۶۷	تا نصیب از حکمتِ اشیا برد
	ناتوان باج از توانایان خورد			..
۹۵	در پئے تنجیرہا بگذاردش	۲۷	۱۷۰	..
-	یا بسوے خویشتن باز آوردش			باز سوے خویشتن می آوردش
۱۰۰	نقشہا بردارد و انداز داو	۲۸	۱۷۱	نقشہا بردارد و اندازد دازد
	سرگذشتِ خویش را می سازد او			..
۱۱۸	ہیچ می دانی کہ ہارون الرشید	۲۹	۱۸۴	قائدِ اسلامیاں ہارون رشید
	آنکہ نقفور آبِ تیغِ او چشید			..
۱۳۰	مسلے از ما سوا بیگانۂ	۳۰	۱۹۸	..
	تا کجا زنجیریِ بت خانۂ			تا کجا زناریِ بت خانۂ

اقبالِ کامل

اس میں اُن کے مفصل سوانح حیات کے بعد پہلے اُن کی اردو شاعری، پھر فارسی شاعری پر اُن کے بہترین اشعار کے انتخاب کے ساتھ مفصل تبصرہ کیا گیا ہے، پھر اُن کی شاعری کے اہم موضوعوں یعنی فلسفۂ خودی، فلسفۂ بیخودی، نظریۂ ملت، تعلیم، سیاست، صنفِ لطیف (یعنی عورت) فنونِ لطیفہ، اور نظامِ اخلاق وغیرہ کی تشریح کی گئی ہے، قیمت :- ۳؎

"منیجر"

ادبیات

اعتراف و تشکر

(جگن ناتھ آزاد کی نظم بھارت کے مسلمان کے جواب میں)

از

جناب یحییٰ اعظمی

یہ نغمۂ دلکش ترا یہ نالۂ دلدوز — یہ تیری فغانِ اثر انگیز و جگر سوز

یہ پندِ محبت یہ پیامِ ادب آموز — اے مادرِ قومی کے جوانِ نظر افروز

بھارت کے مسلمان پہ ہے یہ ترا احسان

ممنون ترا کیوں نہ ہو بھارت کا مسلمان

تو نے اسے مدہوشیِ غفلت سے جگایا — بھولا ہوا پیغام اُسے یاد دلایا

ماضی کی روایات کا افسانہ سنایا — پھر عظمتِ پارینہ کا راز اُس کو بتایا

دی تو نے اسے سچے مسلمان کی تعلیم

اسلام کی، قرآن کی، ایمان کی تعلیم

بھارت کے مسلمان کیلئے یہ ترا پیغام — دراصل ہے اک ولولۂ تازہ کا انعام

تو نے اسے بتلائے ہیں قرآن کے احکام — لب پہ ہے ترے زمزمۂ عظمتِ اسلام

سنتا تھا جسے حالِ قرآن کی زبان سے

وہ درس ملا اس کو ترے سوز فغاں سے

اس راز سے واقف ہیں زمانہ کے مہ و سال — گردش میں رہا کرتے ہیں اقوام کے احوال
ہوتا ہے تغیر بھی مگر ثمرۂ اعمال — ہے پستیِ ہمت کا اثر پستیِ اقبال
جاری ہے ہمیشہ سے یہ قانونِ الٰہی
اعمال بگڑتے ہیں تو آتی ہے تباہی

یہ نکتہ بھی مخفی نہیں اقوام دول سے — اعمال بگڑتے ہیں عقیدوں کے نقص سے
اعصاب سے ہے ربط جوارح کا ازل سے — ہمت ہے اگر پست تو اعضا بھی ہیں شل سے
چھاتی ہے کسی قوم پہ جب پستیِ اخلاق
نادان سمجھ لیتی ہے خود زہر کو تریاق

رہتی تھی جو خود جوش کے عالم میں بھی باہوش — وہ قوم ہوا افسوس غلط کار و غلط کوش
ہو جائے سراسر مے غفلت سے جو بیہوش — پھر کیوں نہ ہو اسلام کی تعلیم فراموش
خوف اور ہزیمت ہو مسلماں کا شعار آہ
مومن کی حیات اور ہو سرگرم فرار آہ

اس دیس میں سب چھوڑ کے سرمایۂ اسلاف — اس شان سے آمادۂ ہجرت ہوئے اخلاف
ہیں نوحہ کناں منبر و محراب کے اطراف — ہیں مرثیہ خواں آج مساجدوں کے اوقاف
کیا اب بھی سزاوار ہیں یہ مجد و شرف کے
حق دار ہیں کیا اب بھی یہ میراث سلف کے

یہ جامع دہلی یہ منار قطب و تاج — تعمیر کی تقدیس کی تہذیب کی معراج
کل تک تھے زمانہ میں سرافراز مگر آج — کیوں دیدۂ بینا کو نظر آتے ہیں تاراج

بے وجہ نہیں آج یہ احساسِ غم ان کا
ہے کس کی بدولت سرِ پُر فخر خم ان کا

فیض ان کے دونوں کے وہ سرچشمۂ جاری — خون بن کے جو ملت کی رگ و پے میں تھے ساری
صدیوں کی متاعِ ہنر و علم ہماری — وابستہ روایاتِ کہن جن سے تھیں ساری
وہ قاسم و سید کے خزانے ہیں تلف آج
اور ان کے نگہبان ہیں حوادث کے ہدف آج

حق یہ ہے کہ یہ عظمت و اقبال کے آثار — ہیں دیر سے ملت کے غم ہجر میں خوں بار
خواجہ کا ہو دربار کہ محبوب کی سرکار — دلی ہو کہ اجمیر ہو سب ہم سے ہیں بیزار
رخصت ہوئے غربت میں انھیں چھوڑ کے افسوس
صدیوں کا جو رشتہ تھا اسے توڑ کے افسوس

وہ دل بھی کیا پھیل کے جو آپ سمٹ جائے — وہ فوج بھی کیا فوج جو میدان سے ہٹ جائے
کس کام کا وہ ابر ہوا سے جو چھٹ جائے — نادان وہ مسافر ہے جو منزل سے پلٹ جائے
خود کھو دے جو اسلاف کی ہمت کا خزانہ
دنیا میں وہ پھر کیوں نہ ہو پامالِ زمانہ

ہم کو ہے عبث گردشِ ایام کا شکوہ — بے سود ہے بے مہریِ اقوام کا شکوہ
شکوہ ہے تو اپنے دلِ خود کام کا شکوہ — ہم کو ہے خود اپنے غلط اقدام کا شکوہ
کیا کہیے اسے آہ بجز شامتِ اعمال
اک ملتِ زندہ ہو جو اس طرح سے پامال

ہم دل سے تری پند محبت کے ہیں شکور — پیغام ترا جذبۂ عالی سے ہے معمور

تڑپا جو ہمارے لئے تیرا دلِ رنجور — شرحِ غمِ دل کے لئے تو ہو گیا مجبور

حیرت ہے یہ آوازِ حق اس دورِ فتن میں

ہے شکر کہ ایسے ہیں جوان اب بھی وطن میں

ماضی کی روایات کا جو زمزمہ خوان ہے — غیروں کے کمالات کا جو مرثیہ خوان ہے

جس گلشنِ ملت کا تو اک سروِ رواں ہے — جس مادرِ قومی کا تو فرزندِ جوان ہے

لاریب زمانہ میں ہے وہ لائقِ تبریک

ہے قابلِ توصیف وہ انصاف کے نزدیک

اے تابشِ بزمِ وطن و نازشِ دوران — ظلمت کدۂ ہند کی اے شمعِ فروزان

ہے دل سے دعا گو ترا ہر قلبِ مسلمان — ہر بچہ ہے اس کا ترا گردیدۂ احسان

صد شکر کہ سرگرمِ عمل تیری نوا ہے

اس قافلۂ حق کے لئے بانگِ درا ہے

نوائے حیات

از جناب یحییٰ اعظمی

جناب یحییٰ اعظمی کا مجموعۂ کلام نوائے حیات جس سے ناظرین معارف اور دوسرے اصحابِ ذوق پوری طرح واقف ہیں، دوبارہ چھپ گیا ہے، اس ایڈیشن میں بہت سی نئی غزلوں اور نظموں کا اضافہ ہوا ہے اور اب یہ مجموعہ پہلے سے زیادہ جامع اور مکمل ہو گیا ہے، اس کے شروع میں مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کے قلمِ فیض رقم سے ایک مبصرانہ مقدمہ اور مولانا ابوالکلام آزاد کی ایک مختصر سی تقریظ ہے جو بجائے خود قابلِ مطالعہ ہے،

قیمت مجلد:- عہ — غیر مجلد:- ۸ر

"منیجر"

مطبوعاتِ جدیدہ

مکتوباتِ شیخ الاسلام (حصۂ اول) مرتبہ جناب مولانا نجم الدین صاحب اصلاحی تقطیع بڑی ضخامت ۲۵۴ صفحات کاغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت چھ روپیے، پتہ (۱) نجم الدین اصلاحی سدھاری اعظم گڈھ

(۲) محمد اسعد و محمد ارشد، راجہ پور سکرور ڈاکخانہ سرائے میر ضلع اعظم گڈھ،

مولانا حسین احمد صاحب مدنی کی ذاتِ ستودہ صفات اپنے علم و تقویٰ، اور مجاہدات کے لحاظ سے اس دور میں سلفِ صالحین کا نمونہ ہے، ان کے فیض کا دائرہ مسندِ علم و سجادۂ طریقت سے لیکر عرصۂ جہاد تک یکسان وسیع ہے، وہ صاحبِ علم و افتا، عالمِ ربانی بھی ہیں، صاحبِ ارشاد و ہدایت شیخِ طریقت بھی اور میدانِ جہد و عمل کے مجاہدِ جلیل بھی، انھوں نے اپنے متوسلین اور عقیدت مندوں کو جو خطوط لکھے ہیں اور ان کے استفسارات کے جو جوابات دیئے ہیں، وہ علم و معرفت اور شریعت و طریقت کے مسائل و معلومات کا خزانہ ہیں، ان میں فقہ و فتاویٰ، شریعت کے مسائل، تصوف کے اسرار و حقائق، دین کی تعلیم، سالکین کی تربیت، اس کے آداب و رسوم، ارشاد و ہدایت کے اصول و طریقے، سیاسی و وطنی مسائل پر تبصرہ، ذاتی حالات اور ان کے علاوہ مختلف النوع معلومات ہیں، اس لئے ان میں مذہبی معلومات و مسائل کے ساتھ ساتھ نفس کی اصلاح و تربیت کا بڑا سامان ہے، جس کے مطالعہ سے مذہبی روح بیدار ہوتی ہے، حضرت شیخ کے ایک لائق مرید مولانا نجم الدین صاحب نے ان مکاتیب کو مرتب اور شائع کر کے ایک گنج گرانمایہ کو وقفِ عام کیا ہے، جس کے لئے وہ دینی اور علمی طبقہ کے شکریہ کے مستحق ہیں، مکاتیب میں بکثرت مذہبی اور تصوف کی اصطلاحات اور تشریح طلب اشارات ہیں، جن کو عام ناظرین نہیں سمجھ سکتے تھے، لائق مرتب نے

حاشیہ مین اُن کی پوری تشریح و وضاحت کر دی ہے، جس سے ان مکاتیب کا فائدہ بہت بڑھ گیا ہے، مگر کہین کہین انھون نے اپنے منصب سے ہٹ کر ناصح و واعظ اور معلم و مرشد کی حیثیت اختیار کرلی ہے مثلاً مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی کے نام کے ایک خط کے حاشیہ مین بلکہ اس سے بھی بڑھکر بعض حواشی مین انھون نے دوسرون کی عیب جینی تک سے باک نہین کیا ہے، چنانچہ اپنے ایک صالح اور دیندار پیر بھائی ابو نصر الرحمٰن صاحب کے لئے انھون نے جو الفاظ استعمال کئے ہین، وہ ایسے مکاتیب کے مرتب کے لئے جو نفس کشی اور تزکیۂ اخلاق کی تعلیم سے لبریز ہین، زیبا نہین کہے جاسکتے، خصوصاً جبکہ اس کی بنیاد ذاتی رنجش ہو، جیسا کہ خود مرتب کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے، یہ جلال ان سراپا جمال مرتب کی تعلیم کے سراسر خلاف ہے، مگر اس فروگذاشت سے قطع نظر حواشی بہت مفید ہین، اور یہ مجموعہ اپنے گونا گون فوائد کے لحاظ سے اصحاب علم و ذوق کے مطالعہ کے لائق ہے،

اطلاقی سماجیات مؤلفہ جناب ڈاکٹر جعفر حسن صاحب تقطیع بڑی ضخامت ۲۰۴ صفحات، کاغذ، کتابت طباعت بہتر، قیمت مجلد صہ، پتہ:- انجمن ترقی اردو ہند علی گڈھ،

انسانی ترقی اور اس کے روز افزون عمرانی مسائل کی وجہ سے فن عمرانیات مین بھی بڑی وسعت ہو گئی ہے، اور اس کی بہت سی شاخین پیدا ہو گئی ہین، ان مین آج کل اطلاقی سماجیات کو بڑی اہمیت حاصل ہے، اس علم مین انسانی معاشرہ کی متوازن ترقی، خوشحالی، اور سکون و طمانیت کے اسباب و وسائل سے بحث کی جاتی ہے، یعنی سیاست اور نظام حکومت سے لے کر انسانون کی انفرادی زندگی اور اجتماعی معاشرت تک وہ کون سے طریقے اختیار کئے جائین جن سے انسان زیادہ سے زیادہ آسودہ حالی کی، اور مطمئن اور مسرور زندگی بسر کر سکے، زیر نظر کتاب مین سیاسی و تمدنی اور اخلاقی و معاشرتی وغیرہ ان تمام وسائل کی روشنی مین جن کا تعلق انسانون کی مادی فلاح سے ہے، مذکورہ بالا مسائل پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے، اور اس کے وسائل و طریقے بتائے گئے ہین، کتاب مین

حسب ذیل ابواب و مباحث ہین، تمہید، دولت و خوشحالی، سماجی امراضیات، مسئلہ افلاس، عیب و جرم کا مسئلہ، تمدنی مسئلے، سماجی سیاست، سیاست کاری، اور ہندوستانی سماج کاری، ہر باب مین متعدد ذیلی عنوانات ہین جن مین علمی یا اطلاقی سماجیات کے ہر پہلو پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے، آخر مین چند ضمیمے ہین، اس زمانہ مین جب کہ ان مسائل نے بڑی اہمیت حاصل کر لی ہے، ایسی کتابون کی بڑی ضرورت ہے، غالباً اردو مین اس موضوع پر یہ پہلی کتاب ہے، لائق مصنف نے اس کتاب مین خالص ہندوستانی اصطلاحات استعمال کرنے کی کوشش کی ہے، یہ کوشش بہت مستحسن ہے، مگر اسی کے ساتھ ایسے الفاظ بھی استعمال کر گئے ہین، جو نہ صرف ذوق کے لئے گران ہیں، بلکہ ان کا اردو مترادف استعمال کئے بغیر ان کا سمجھنا بھی مشکل ہے،

کتاب الوسیلہ مترجمہ جناب مولانا عبد الرزاق صاحب ملیح آبادی تقطیع بڑی ضخامت ۳۵۲ صفحات، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت قسم اول مجلد لعہ، غیر مجلد عہ، قسم دوم علی الترتیب للعہ، اور صہ روپیہ، پتہ:- الہلال بک ایجنسی نار دتی گنج بیرون شیرانوالہ دروازہ لاہور،

فاضل مترجم نے عرصہ ہوا امام ابن تیمیہ کی مشہور تالیف کتاب الوسیلہ کا اردو مین ترجمہ کیا تھا، جو اسی زمانہ مین شائع ہو گیا تھا، اب اس کا دوسرا اڈیشن شائع ہوا ہے، شرک کی بعض قسمین بہت خفی ہین، اور وہ ایسے راستہ سے آجاتا ہے کہ اس کا احساس تک نہین ہونے پاتا، خصوصاً جب وہ خوش عقیدگی کا لباس اختیار کر لیتا ہے تو اچھے اچھون کو اسکے پہچاننے مین دھوکا ہو جاتا ہے، ناواقف مسلمان زیادہ تر اسی قسم کے شرک کا شکار ہوتے ہین، اس کتاب کے نام سے اگرچہ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اسمین صرف غیر اللہ کے توسل پر بحث کی گئی ہے، لیکن اسمین شرک کے تمام چھوٹے بڑے اقسام کی مفصل تردید کی گئی ہے، امام ابن تیمیہ کی دوسری کتابون کی طرح یہ کتاب بھی اُن کے تبحر، وسعت و دقت نظر کا نمونہ ہے، جس کا اندازہ اس کے مطالعہ ہی سے ہو سکتا ہے، مگر امام موصوف کی طبعی شدت اس کتاب مین بھی کہین کہین موجود ہے،

اور انھون نے بعض ایسی چیزون کو بھی شرک مین شامل کرلیا ہے، جو جمہور علماے اہل سنت کے نزدیک نہ صرف جائز و مباح بلکہ مستحسن و محمود ہین، مثلاً روضۂ نبوی کی زیارت، اس بارہ مین امام ابن تیمیہ کی راے جمہور علماء سے مختلف ہے، مگر اس قسم کے بعض مسائل کے علاوہ مجموعی حیثیت سے یہ کتاب بہت مفید اور مسلمانون کے مطالعہ کے لائق ہے،

الفوز الکبیر فی اصول التفسیر } شائع کردہ مکتبۂ سلفیہ تقطیع بڑی ضخامت ۰۰ ۵ صفحے، کاغذ، اور ٹائپ نفیس قیمت ۱۰ عالم [illegible] پتہ :- (۱) مکتبہ سلفیہ شیش محل روڈ لاہور (۲) مولوی عبدالصمد اینڈ سنز سید واڑہ سورت (۳) ندوۃ المصنفین اردو بازار جامع مسجد دہلی۔

شاہ ولی اللہ صاحب کا مشہور تفسیری رسالہ الفوز الکبیر فی اصول التفسیر عرصے کمیاب بلکہ نایاب ہے، مکتبۂ سلفیہ نے اس کو نہایت عمدہ کاغذ اور نفیس ٹائپ مین شائع کیا ہے، شاہ صاحب نے یہ رسالہ فارسی مین لکھا تھا، مگر بعد مین عام فائدہ کے لئے اوس کا عربی ترجمہ کردیا گیا ہے، اس ترجمہ مین حروف مقطعات کی مختصر بحث چھوٹ گئی تھی، جو اس کتاب کے پرانے اڈیشنون مین نہین ملتی ہے، مگر اس اڈیشن مین اوس کو بھی بڑھا دیا گیا ہے، اور کتاب کے آخر مین شاہ صاحب کے خود نوشت حالات الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف کو بھی شامل کردیا گیا ہے، اس لئے یہ اڈیشن پہلے اڈیشنون سے زیادہ مفید اور مکمل ہے،

"م"